اردو

# احادیث

## عشرہ ذی الحجہ اور ایام تشریق

## -احکام وآداب-

معہ

# أحادیث
# شہر اللّٰہ المحرم


تالیف

فضیلہ الشیخ/ عبداللہ بن صالح الفوزان -حفظہ اللہ-

ترجمہ:

ممتاز عالم نسیم أحمد نوری

نظر ثانی:

عبدالسلام صلاح الدین مدنی

# مقدمہ برائے طبعہ جدیدہ

تمام تعریفیں اللہ رب دو جہاں کے لئے ہیں، اور درود و سلام کے نذرانے ہوں ہمارے نبی، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ، ان کے آل واصحاب اور روز قیامت تک احسان و بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

امابعد:

یہ میری کتاب: **احادیث عشرہ ذی الحجہ اور ایام تشریق-أحکام وآداب**-کا نیا ایڈیشن ہے، جو اس کتاب کے پندرہ سال پہلے دار المسلم سے چھپے پہلے ایڈیش کے بعد کئی ائمہ-جزا ھم اللہ خیرا-کی خواہش پر دوبارہ منظر عام پر آرہا ہے، میں نے کتاب کو پڑھ کر غیر ضروری باتوں کو حذف کر ساتھ ہی کچھ ضروری باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے تاکہ اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ کیا جائے اور اسے ائمہ کرام اور عام قارئین کے یہاں خاص مقام حاصل ہو۔

میں اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں علم نافع اور نیک عمل کی توفیق بخشے، بے شک وہ سننے والا قریب اور عطا کرنے والا ہے، تمام تعریفیں اللہ رب دو جہاں ہی کیلئے ہیں۔

تحریر شدہ:

٦/ ٧/ ١٤٣٩ھ بروز جمعہ

# مقدمہ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں کو نیکیوں کے مواسم عطا کرکے احسان کیا، تاکہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور انہیں خوب تر انعامات بخشے، یقیناً وہی وہ ہے جو جسے چاہتا ہے انہیں ان مواسم کو غنیمت جانتے ہوئے ان میں نیکی اور تقوی کے کے راستے کو اختیار کرنے کی توفیق دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے نافرمانی اور معصیت کے ارتکاب کے سبب ذلیل کر دیتا ہے۔

میں ذات باری تعالی کی تعریف کرتا ہوں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، کہ اس نے ہمارے لئے دین کو مکمل کیا ہمارے اوپر نعمت کو تمام کیا، ہمارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا، ہمارے لئے نیک اعمال مشروع کئے اور ہمیں ان کے ادائیگی کی توفیق بخشی اور اس پر ہمارے لئے اجر وثواب مرتب کئے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں ان پر، ان کے آل واصحاب اور جزا کے دن تک ان کی بھلائی کے ساتھ پیروی کرنے والوں پر درود وسلام ہوں۔

اما بعد:

یہ رسالہ **عشرہ ذی الحجہ اور ایام تشریق** سے متعلق مختصر احکام وآداب پر مشتمل ہے، جنہیں میں نے اس موضوع سے متعلق اپنی جمع کردہ مجموعہ احادیث کی شرح کے

طور پر لکھا ہے، اس میں بھی میں نے بالکل **احادیث صیام** والا منہج اپنایا ہے، اس سے میرا مقصد یہی ہے کہ ان دس دنوں میں امام مسجد کے پاس ایک ایسی مناسب کتاب ہو جسے وہ نماز عصر کے بعد پڑھ سکیں، - جیسا کہ ہمارے یہاں ائمہ کرام کا طریقہ رہا ہے -۔

اس کے اخیر میں میں نے بالکل مذکورہ منہج کے ساتھ **أحاديث شهر الله المحرم** نامی رسالہ بھی منسلک کر دیا ہے، جس میں میں نے صرف وہ احادیث ذکر کئے ہیں جو عاشوراء کے روزے اور اس سے متعلق احکام کے سلسلے میں وارد ہیں۔

اگر امام مسجد اس کتاب کو عشرہ کے داخل ہونے سے دو روز قبل پڑھنا شروع کریں تو یہ احادیث اس عشرہ کے دنوں کے لئے بالکل مناسب ہوں گے اور ان کی ترتیب میں خلل بھی واقع نہ ہو گی۔

لوگوں کے مسجد سے نکل جانے کے خوف سے سلام پھیرنے کے فورا بعد ہی درس پڑھنا بھی مناسب نہیں بلکہ لوگوں کے اذکار سے فراغت کا انتظار کرنا چاہئے، کیونکہ ذکر کا اہتمام بھی اہم ہے اور اس لئے بھی کہ لوگ فراغت کی صورت میں درس کو سن کر مکمل طرح سے استفادہ کر سکیں، جتنے لوگ بھی درس سننے کے لئے مسجد میں موجود رہیں وہی کافی اور باعث خیر ہیں۔

رہی بات یہ کہنا کہ عصر کے بعد حدیث کا پڑھنا بدعت ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ نصیحت کے باب سے ہے، لیکن پھر بھی اس پر ہیشگی نہیں برتنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: (( نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بوریت اور ملل کا شکار ہونے کے خوف سے ہمیں صرف ہمارے چستی کے وقت ہی نصیحت

کیا کرتے تھے))[1]، نصیحت کے تحریری یا غیر تحریری شکل میں ہونے سے بھی کوئی مضایقہ نہیں، مختلف مواسم اور مناسبات جیسے؛ ماہ رمضان، عشرہ ذی الحجہ وغیرہ میں لوگوں کو حسب مناسبت جن مسائل کے جانکاری کی ضرورت ہو؛ ان سے متعلق موضوعات کی تکرار میں بھی کوئی حرج نہیں، نبی کریم ﷺ نے توحجـــــة الوداع کے موقع پر تین یا چار خطبہ عرض فرمایا تھا۔

میں اللہ رب دوجہاں سے دعا گو ہوں کہ باری تعالی اس کتابچہ کو خاص اپنی رضا کیلیۓ اور جنت سے قریب کرنے والا بنائے، اوراس کے ذریعہ اس کے لکھنے، پڑھنے اور سننے والے کو نفع پہونچائے، بے شک وہ سننے والا قریب اور قبول کرنے والا ہے۔

تحریر کردہ

عبداللہ بن صالح الفوزان

۱۶/ ۱۲ /۱۴۲۳ھ

lfuzan.net@gmail.com

([1])اس حدیث کوامام بخاری(68) نے روایت کی ہے، اور (یتخولنـــــــا) کا معنی: آپ ﷺ ہمارے چستی کے وقت کی رعایت کرتے ہوئے نصیحت کیا کرتے تھے، ہمیشہ نصیحت نہیں کرتے تھے۔

[۱۱/۲۹]

# ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن اوران میں نیک أعمال کی فضیلت

عن ابن عباس -رضي الله عنهما- عن النبي ﷺ قال: ((ما من أيام العمل الصالح فيهن أحب إلى الله منه في هذه الأيام العشر))، قالوا: ولا الجهاد في سبيل الله؟! قال:((ولا الجهاد في سبيل الله، إلا رجل خرج بنفسه وماله ولم يرجع من ذلك بشيء)). أخرجه البخاري و أبو داود والترمذي وابن ماجه وأحمد .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:((کوئی بھی دن ایسے نہیں ہیں جن میں کئے گئے نیک اعمال ان دس دنوں میں کئے گئے اعمال سے بہتر ہوں))،لوگوں نے عرض کیا: کیااللہ کے راستے میں جہاد بھی؟! آپ ﷺ نے فرمایا:((جہاد بھی مگر یہ کہ کوئی اپنے جان ومال کے ساتھ نکلے اور پھر کچھ بھی واپس نہ آئے))۔اس کی تخریج بخاری،ابوداؤد، ترمذی،ابن ماجہ اوراحمد نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث سال کے دیگرایام کی بہ نسبت ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے،اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان کے سب سے بہترایام ہونے کی گواہی دی ہے،اور آپ نے ان میں ہمیں نیک اعمال پرابھارا ہے۔

اس میں یہ بھی دلالت موجود ہے کہ ان أیام میں کئے گئے تمام اعمال دوسرے دنوں کے مقابلے اللہ کوزیادہ محبوب ہیں،جوکہ ان ایام میں نیک عمل کی فضیلت اوراس کے اجرکثیر کی دلیل ہے،اوریہ کہ بلااستثناءاس عشرے میں تمام ترنیک اعمال کااجر بڑھ جاتاہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((اللہ تعالی کے نزدیک کوئی بھی عمل ذی الحجہ کے عشرے میں کئے گئے نیکی سے پاکیزہ اوراس سے بڑھ کر

[1] اس کی تخریج بخاری(۹۶۹)ابوداؤد(۲۴۳۸)ترمذی(۷۶۷)ابن ماجہ(۱۷۲۷)اوراحمد(۳/۳۴۳)نے کی ہے،اور یہ لفظ ترمذی کا ہے۔

اجر عظیم کا باعث نہیں ہے))، کہا گیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں ؟فرمایا:((اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں)) مگر یہ کہ کوئی اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ جہاد کیلیئے نکلے پھر کچھ واپس ہی نہ آئے))[1]۔

اس عشرے کا پانا بندے کیلیئے اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے؛ کیونکہ اسے اطاعت وعبادت کے مواسم میں سے ایک اہم موسم حاصل ہوتا ہے، لہذا اسے چاہئے کہ وہ اس نعمت کو محسوس کرے اور ان میں کیئے گئے اعمال کے اجر عظیم کو سامنے رکھے اور ان ایام میں غفلت سے بچے جیسا کہ لوگوں کی اکثریت کا حال ہے، اور اس عشرے کو دوسرے عام عشروں کی طرح ضائع نہ کرے بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں رشتہ داروں پڑوسیوں اور دوستوں کو بھی اس سے استفادہ کی تلقین کرتے ہوئے خود بھی ان اوقات کو غنیمت جانے، اور دیگر دنوں کی بہ نسبت اس عشرے کو نیک اعمال میں پہل کے ذریعہ خصوصی اہمیت دے اس امت کے سلف کا یہی معمول تھا جیسا کہ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں: "وہ تین عشروں کی تعظیم کیا کرتے تھے: رمضان کا آخری عشرہ، ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اور محرم کا پہلا عشرہ"[2]۔

**اس عشرے میں متعدد نیک اعمال اور عبادت واطاعت کے کام مشروع ہیں، جیسے:**

۱- فرض نمازوں سے پہلے اور بعد نفل نمازیں بہ کثرت پڑھنا، صدقہ، اور باقی نیک اعمال، جیسے والدین کی فرمانبرداری صلہ رحمی سچی توبہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا، وغیرہ۔

۲- کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا، تکبیر پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔

۳- روزے رکھنا، اگرچہ ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزوں کے سلسلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے مگر پھر بھی یہ انہیں نیک اعمال کے ضمن میں آجائے گا جن پر پیارے رسول

---

([1]) دارمی (۳۵۸/۱) نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

([2]) لطائف المعارف (ص: ۳۵۸)، اور ابو عثمان نہدی کی زندگی کے حالات کو حافظ نے ((تهذيب التهذيب)) (۲۴۹/۱) میں قلمبند کیا ہے ان کی وفات پہلی صدی کے اخیر میں ہوئی۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھارا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:((روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا))[1]، لہذا ان دنوں میں روزے کی فضیلت عام دلائل سے ثابت ہے۔

۴- حج اور عمرہ کرنا بھی نیک اعمال میں سے ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا-ان شاءاللہ-۔

۵- سستی کئے بغیر قربانی کا اہتمام کرنا کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔

اے اللہ ہمیں غفلت سے بیدار کردے، رحلت سے پہلے ہمیں تیاری کی توفیق عطا کر ہمیں وقت کے قدر کرنے کی توفیق عطا کر، نیکیوں کے موسم بہار سے ہمیں استفادہ کی توفیق عطا کر اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

(1) بخاری(۱۸۹۴) مسلم(۱۱۵۱)۔

[۱۱/۳۰]

# قربانی کا ارادہ رکھنے والے کو کن چیزوں سے بچنا چاہئے

عن أم سلمة -رضي الله عنها- أن النبي ﷺ قال: ((إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ حتى يضحي))، وفي رواية:(( فَلا يَمَسَّ مِنْ شَعَرِهِ وَبَشَرِهِ شَيْئًا)).

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور قربانی کرنا چاہو تو اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے قربانی کرنے تک بچو))،اور ایک روایت میں ہے کہ:((پس وہ اپنے بال اور چمڑے کا کوئی حصہ نہ چھوئے))[1]۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کی ابتداء کے بعد قربانی کا ارادہ رکھنے والے شخص کو قربانی کرنے تک اپنے بال، ناخن اور چمڑے (بشرہ: چمڑے کا اوپری حصہ) نہیں نکالنا چاہئے، اگر کوئی شخص ایک سے زائد جانور ذبح کرنا چاہتا ہو تو وہ پہلے کو ذبح کرنے کے بعد اپنے بال ناخن وغیرہ کاٹ سکتا ہے۔

اہل علم کے راجح قول کے مطابق مذکورہ امور سے رکنے کا حکم وجوب کا ہے، اور ان کے کاٹنے کی ممانعت سے تحریم مراد ہے، کیونکہ یہی اصل ہے، لہذا اگر کوئی عمداً کاٹ لے تو اسے توبہ اور استغفار کرنا پڑے گا، البتہ ایسے شخص پر کوئی فدیہ نہ ہونے کے سلسلے میں اجماع ہے، اور اس کا یہ عمل قربانی پر بھی اثر انداز نہ ہوگا۔

(۱) صحیح مسلم (۱۹۷۷) اس حدیث کو وقف کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے راقم سطور کی کتاب: روضة الأفهام (۳ / ۱۴۲)۔

یاد رہے کہ یہ ممانعت قربانی کرنے والے شخص کیلئے خاص ہے،جیساکہ فرمان نبوی ﷺ ہے:((و أراد أن يضحي))لہذا یہ حکم بیوی اوراولاد کو ثواب میں شریک کرنے کیصورت میں انہیں شامل نہ ہوگا۔

اسی طرح کسی کی طرف سے وصیت یاوکالت کو نافذ کرتے ہوئے قربانی کرنے والے پر بھی اپنے بال، ناخن اور چمڑے کا کاٹنا حرام نہ ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں قربانی اس شخص کی نہیں ہوتی۔

اور جس شخص نے جائز طور سے اپنے ناخن اور بال اس عشرہ کے ابتدائی دنوں میں کاٹ لئے ہوں اور پھر قربانی کاارادہ بن جائے توایسے شخص کوارادہ کے وقت سے ہی ایسا کرنے سے پرہیز کرناچاہیئے۔

اور جسے کسی ضرورت کی بابت ان کے کاٹنے کی ضرورت درپیش آجائے جیسے: کسی کا ناخن ٹوٹ جائے اور باقی رہنے کی صورت میں نقصان کااندیشہ ہو یاکسی زخم کی جگہ بال ہوں اوران کے نکالے بغیر علاج ممکن نہ ہوتوان کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قربانی کرنے والا محرم سے بڑانہیں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ بیماری اور تکلیف کی صورت میں اس کے لئے بھی حلق جائز ہے ۔ہاں محرم پر فدیہ واجب ہوگا جبکہ قربانی کرنے والے پر کوئی فدیہ نہ ہوگا۔

کسی خاتون کیلئے بال کاٹنے کی غرض سے کسی کو قربانی کیلئے وکیل بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حکم قربانی کرنے والے کیلئے ہے چاہے وہ خود کرے یاکسی اور کو وکیل بنائے، رہی بات وکیل کی تو اسے یہ حکم شامل نہ ہوگا جیساکہ گذر چکاہے۔

قربانی کاارادہ رکھنے والے مرد اور عورت کیلئے ان دنوں کے اندر سر دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بال کو عمداکاٹنے سے منع کیاہے،اوراس لئے بھی کہ محرم تک کو سر دھونے کی اجازت ہے۔

اور جو شخص قربانی کاارادہ کرنے کے بعد حج کاارادہ کرلے توایسا شخص احرام کے وقت بال اور ناخن نہ تراشے کیونکہ ایسا کرنا بوقت حاجت مسنون ہے ،اس صورت اس کا ترک کرناراجح ہوگا،ہاں اگر کوئی متمتع ہو تو عمرہ سے فراغت پر بال کٹوائے گا کیونکہ یہ عمرہ کے اعمال میں داخل ہے،اور عمرہ کے اعمال کی ادائیگی واجب ہے،اسی طرح جب حاجی عید کے دن جمرہ عقبہ کو کنکری مار لے تو بھی حلق کرواسکتاہے اگرچہ اب تک قربانی نہ کی گئی ہو۔

اے اللہ ہمارے ساتھ احسان کا معاملہ فرماہمیں اپنی رحمت و مغفرت کے سائے میں رکھ ،ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہمیں محروم نہ کر،ہمارے عیوب کے سبب ہمیں پھٹکار سے دوچار نہ کر،اے اللہ توہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[۱۲/۱]

# حج کے وجوب اور اس کیلئے جلدی کرنے کا بیان

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أن النبيﷺ قال: (( بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمد رسول الله ، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان)). أخرجه البخاري ومسلم.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا)). بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج کی ہے[1]۔

یہ حدیث صاحب استطاعت پر حج کے وجوب اور اس کا ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہونے کے سلسلے میں دلیل ہے، فرمان باری تعالی ہے: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا ومن كفر فإن الله غني عن العلمين﴾ (آل عمران: ۹۷) اور ہم جانتے ہیں کہ کسی حکم کے ظاہر سے اس کا فوری طور پر مطلوب ہونا ہی مراد ہوتا ہے جب تک کہ اسے اس اصل سے موڑنے والا کوئی قرینہ نہ پایا جائے۔

اللہ تعالی کا فضل، اسکی رحمت اور ہمارے لئے رب رحیم کی آسانی ہی ہے کہ یہ عمر میں صرف ایک ہی بار فرض ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ: ((حج صرف ایک ہی بار ہے جو زیادہ کرے وہ نفل شمار ہوگا))[2]۔

---

(1) صحیح بخاری (۸)، اور صحیح مسلم (۱۶)۔

(2) اس کی تخریج امام ابوداود (۱۷۲۱)، اور نسائی (۵/ ۱۱۱)، اور ابن ماجہ (۲۸۸۶) اور احمد (۵/ ۳۳۱) نے ابن عباس کے حدیث سے تخریج کی ہے یہ صحیح حدیث ہے، اور اس کی اصل مسلم (۱۳۳۷) میں ابوہریرہ کی حدیث سے ہے۔

بہت سی حدیثیں وارد ہیں جن کا عام معنی یہی ہے کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جلدی کرنا چاہئے مگران میں سے کسی بھی حدیث کی سند کلام سے خالی نہیں ہے لیکن تعدد اور اختلاف طرق کے ساتھ وہ ساری احادیث حج کے فوری طور پر واجب ہونے کے سلسلے میں دلالت کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول ثابت ہے کہ ((جو حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرے اس کے لئے برابر ہے چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر))[1]۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے سنہ ۱۰/ہجری میں آپ کے ساتھ حج کرنے کیلئے جلدی کی تھی اور مدینہ میں بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تھے، جو بھی سوار ہو کر یا پیدل چل کر آسکتے تھے سارے آگئے تھے کوئی نہیں بچا تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور ولادت کا وقت قریب ہونے ہونے کے باوجود بھی حج کیلئے نکلیں، حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے یہاں بچے کی ولادت یا تو راستے میں ہو جائے گی یا مکہ میں جو اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا تھا کہ حج کے سلسلے میں جو حکم ہے وہ فوراً ادائیگی کیلئے ہے۔

لہذا تمام مسلمان مرد اور عورت پر استطاعت کی صورت میں اس عظیم رکن کی ادائیگی کیلئے جلدی کریں اور جو والدین اور سرپرست صاحب استطاعت ہیں انہیں بھی اپنے زیر کفالت بچے بچیوں وغیرہ کو حج کرانے میں جلدی کرنی چاہئے جیسا کہ أپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته)[2] کا عموم اس کو بھی شامل ہے۔

---

([1])اس کی تخریج ابو بکر اسماعیلی نے مسند عمر میں کی ہے جیسا کہ ابن کثیر کی مسند الفاروق (۲۹۴)،اور ابو نعیم کی حلیہ (۹/ ۵۲۵) میں ہے، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/ ۳۸۷) میں فرمایا ہے: اس کی اسناد عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے)۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری (۸۵۳) اور امام مسلم (۱۸۲۹) نے کی ہے۔

شادی سے پہلے بیٹی کے حق میں حج اور مؤکد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس کے بعد کی بہ نسبت اسے پہلے حج کرنے میں کافی آسانی ہو گی، اور بعد میں اسے حمل رضاعت اور پرورش وغیرہ جیسے دیگر عوارض کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شوہر کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو حج اسلام سے روکے کیونکہ یہ اس پر ایک واجب شرعی فریضہ ہے، بلکہ شوہر کو تو چاہئے کہ وہ قدرت کی صورت میں اس کے اس فریضہ کی ادائیگی میں اس کا معاون ہو بطور خاص نئے شادی شدہ جوڑے لہذا شوہر کو اس کی خاطر آسانی کرنی چاہئے چاہے، اور وہ چاہے خود اس کے ساتھ سفر کرے یا اسے اس کے کسی بھائی یا بوجہ نسب یا رضاعت محرم رشتے دار کے ساتھ حج کرنے کی اجازت دے۔

اے اللہ ہمیں ہمارے بھلائی کے کاموں کی توفیق بخش ہمیں برائیوں اور بے حیائیوں سے محفوظ رکھ ہمارے تمام اعضـــــاء کو اپنی اطاعت میں لگادے ہمیں ہدایت یافتہ اور لوگوں کی رہنمائی کرنے والا بنادے ہمیں گمراہ اور گمراہی کہ طرف بلانے والا نہ بنا اور اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں جو بخش دے۔

[۱۲/۲]

# حج کی فضیلت اور حاجی کیلئے لازمی صفات

**عن أبي هريرة ﷺ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((من حج فلم يرفث ولم يفسق رجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه)). أخرجه البخاري ومسلم، وفي لفظ لمسلم : ((من أتى هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته أمه)).**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((جس نے حج کیا پس اس نے دوران حج جماع اور اس کے مبادی (مقدمات) سے اجتناب کیا اور برائی اور اللہ کی نافرمانی سے بچا وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ولادت کے وقت تھا)) اس کی تخریج بخاری اور مسلم نے کی ہے، اور مسلم کا ایک لفظ اس طرح ہے کہ: ((جو اس گھر کو آئے اور جماع اور اس کے مبادی (مقدمات) سے اجتناب کرے برائی اور اللہ کی نافرمانی والے کام سے بچتا رہے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ولادت والے دن کی مانند (بے گناہ) ہو جاتا ہے))[1]۔

یہ حدیث حج کی فضیلت اور اللہ کے نزدیک اس کے عظیم ثواب کی دلیل ہے، اور یہ کہ حاجی اپنے حج کے بعد گناہوں اور غلاظتوں سے بالکل پاک صاف ہو کر اسی طرح سے ہو جاتا ہے جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا[2]، ایسا اس وقت ہوگا جب وہ اپنے حج کے دوران **درج ذیل دو صفات** سے متصف رہا ہو:

---

([1]) بخاری (۱۴۴۹)، اور مسلم (۱۳۵۰)۔

([2]) اس سے ظاہر یہی ہے کہ کبائر و صغائر سارے معاف ہوتے ہیں ہیں، حالانکہ اس مسئلہ میں تفصیل (بحث) ہے۔ راقم کی روضۃ الافہام (۳/ ۷۷) کا مراجعہ کریں۔

**پہلی صفت**: فرمان نبوی ﷺ: ((فلم یرفث)) فاء کے ضمہ کے ساتھ رفث کا مضارع ہے اور رفث راء اور فاء کے فتحہ کے ساتھ جماع اور اس کے مبادی (مقدمات) کے تذکرہ کو کہا جاتا ہے چاہے مطلق طور پر یا عورتوں کی موجودگی میں ان کے ساتھ جماع یا شہوت کے ساتھ چھو کر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رفث بے ہودہ گوئی کو بھی کہا جاتا ہے۔

**دوسری صفت**: ((و لم یفسق)) یعنی وہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری سے برائیکا ارتکاب کر کے نہ نکلا ہو انہیں میں سے محظورات احرام بھی ہیں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج﴾[البقرة:۱۹۷] اسکا معنی یہ ہے کہ: جس نے حج کے مہینوں میں اسے اپنے اوپر واجب کر لیا اور اس کی نیت کر لی تو اسے چاہیئے کہ اپنے اوپر واجب شدہ اللہ کے شعائر کا احترام کریں اور ہر اس چیز سے بچے جو اللہ کیلئے یکسوئی اور بیت حرام کے قصد کے منافی ہوں لہذا ایسا شخص بے ہودہ گوئی، اللہ کی نافرمانی اور بے فائدہ لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرے، کیونکہ ایسا کرنا حکمت حج یعنی اللہ کے لئے خشوع اور اس کی دعا اور ذکر میں مشغولیت کے منافی ہیں۔

اس حدیث میں گناہوں اور نافرمانیوں کی نحوست کی جانب بھی اشارہ ہے کہ ایام حج میں ان کے ارتکاب سے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ کسی نیک عمل کے ساتھ واقع ہونے والے گناہ تنہا گناہ کے مقابلے بڑے ہوتے ہیں پس محرم، روزے دار، مجاہد اور مرابط کا گناہ عبادت سے ملے ہونے کے باعث دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہو گا۔ فرمان باری تعالی ہے: ﴿ولا تبطلوا أعمالكم﴾ (اپنے عملوں کو برباد مت کرو) حضرت حسن کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے: تم اپنے نیکیوں کو برائیاں کر کے برباد نہ کرو))[1]۔

(1) دیکھئے تفسیر طبری (۲٦/ ٦۲)، اور تفسیر قرطبی (۱۹/ ۲۸۷)، اور التفسیر والبیان لأحكام القرآن (۱/ ۳۱٦)۔

اس لئے؛ حجاج بیت اللہ پر واجب ہے کہ وہ اس عمل پر مرتب اس مغفرت کے اسباب پر عمل کا اہتمام کریں بایں طور کہ وہ اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑیں اور اپنے حج کی حفاظت کریں اور اسے اللہ کے حرام کردہ بیہودہ گوئی اور نافرمانی اور لڑائی جھگڑے سے بچائیں اور ہر طرح سے گناہ اور قولی و عملی نافرمانیاں جن کے سلسلے میں اس زمانے میں لوگ تساہل کے شکار نظر آتے ہیں ان سے پرہیز کریں کیونکہ یہ تو تمام اوقات اور حالتوں میں ممنوع ہیں لیکن حج کے ایام کی عظمت اور زمان ومکان کے شرف اور اللہ کے حرمات کی تعظیم کے پیش نظر ان سے بطور خاص بچنے کی تلقین کی گئی ہے،، کیونکہ حج کرنے والے اولا تو حالت احرام میں ہوتے ہیں اور پھر یہ حرمت حدود حرم میں ہونے کے سبب اور بڑھ جاتی ہے پھر اعمال حج کی کی ادائیگی کے باعث اس کی حرمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے لہذا ایسے شخص پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ مکمل صفت اور بہترین حالت پر ہو۔

اللہ تو ہمیں اپنی رضا کے کاموں کی توفیق دے اپنے نافرمانی سے ہمیں بچا ہمیں اپنے نیک بندوں اور کامیاب گروہ میں شامل کر ہمارے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ فرما ہمارے توبہ کو قبول فرما ہمیں ہمارے والدیں اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[۱۲/۳]

## حج مبرور کی فضیلت اور اس کی صفت

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ((العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة)). أخرجه البخاري ومسلم.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کے لئے کفارہ ہوتا ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ بھی نہیں)) اس کی تخریج بخاری اور مسلم نے کی ہے[1]۔

❀❀

یہ حدیث حج مبرور کی فضیلت اور اللہ کے یہاں اس کے عظیم اجر پر دلیل ہے، بایں طور کہ حج کرنے والا اپنے رب کی خوشنودی اور اس کے جنت سے سرفراز ہونے والا ہوتا ہے، اور اس کا بدلہ صرف اس کے بعض گناہوں کے مٹانے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو کر رہے گا۔

**حج مبرور کے چند اوصاف** حسب ذیل ہیں :

**پہلی صفت:** حج کا خرچ حلال کمائی سے ہونا، اس لئے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((بے شک اللہ تعالی پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی پسند فرماتا ہے))[2]۔

**دوسری صفت:** عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ادا کرنا۔

---

(1) صحیح البخاری (۱۶۸۳)، اور صحیح مسلم (۱۳۴۹)۔

(2) اس کی تخریج مسلم (۱۰۱۵) نے کی ہے۔

**تیسری صفت**: نافرمانی، گناہ، بدعت اور شرعی مخالفات سے دور رہنااور سابقہ زندگی کے مقابلے بہتری کی جانب لوٹنا۔

**چوتھی صفت**: سواری اور اقامت گزینی میں اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں بلکہ تمام احوال میں اچھے اخلاق، نرمی اور خاکساری کو لازم پکڑنا جیسا کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج کے دوران اچھے اخلاق کو اپنائے ہوئے تھے۔ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "مقبول حج وہی ہے جس میں دکھاوااور لوگوں کی پذیرائی کا حصول مقصود نہ ہو، بیہودہ گوئی اور نافرمانی کے کام انجام نہ دیئے جائیں اور حج حلال کمائی سے کیا جائے..."[1]۔

حاجی کیلئے حج کے احکام اور اس کی ادائیگی کے صحیح طریقہ کار کا جاننا بھی ضروری ہے چاہے مناسک سے متعلق کتابیں پڑھ کر یا موثوق (معتبر) اہل علم سے سوال کرکے یا ایسی جماعت کے ساتھ حج کرے جن میں ایسا طالب علم موجود ہو جس سے استفادہ کیا جائے۔

اسی طرح حاجی پر اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بھی واجب ہے، لہذا اسے چاہئے کہ وہ مشاعر مقدسہ کی قدر و منزلت کا دھیان رکھے اور اپنے اعمال حج کو تعظیم، اجلال اور اللہ کی محبت و خضوع کے ساتھ ادا کرے جس کی نشانی یہ ہے کہ وہ حج کے شعائر کو سکون واطمینان کے ساتھ ادا کرے، اپنے افعال واقوال میں نرمی اپنائے، آج کل کے اکثر لوگوں کی طرح جلد بازی سے بچے اور خود کو اللہ کی فرماں داری کے سلسلے میں صبر کا عادی بنائے، کیونکہ اس طرح عمل کی قبولیت کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور اس کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اپنے شعائر کی تعظیم اور اجلال اور اس کے حرمت کی حفاظت اور پاسداری پر ابھارا ہے، فرمان باری تعالی ہے: ﴿ذلك ومن يعظم حرمت الله فهو

---

[1] التمہید (۲۲/ ۳۹)۔

خير لـه عنـد ربـه﴾[الحج:۳۰]اللہ کی حرمتوں سے مراد عبادت یا اس کے علاوہ سے تمام قابل احترام چیزیں جن کے احترام کا حکم دیا گیا ہے، جیسے تمام مناسک اور حرم واحرام وغیرہ۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿ذلك ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلـــوب﴾[الحج:۳۲](یہ اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالائے گا تو یہی تو تقوی ہے)اور اللہ کے شعائر سے مراد دین کی ظاہری علامتیں ہیں انہیں میں سے تمام مناسک بھی ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله﴾[البقرة:۱۵۸]۔(بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں)

لہذا اے میرے مسلمان بھائی اس بارے میں غور کرو کہ اللہ تعالی نے اپنے شعائر کی تعظیم کو تقوی کا رکن اور عبودیت کی شرط قرار دیا ہے،اور اپنے حرمات کی تعظیم کو بندے کیلئے اللہ کے ثواب اور نوازش کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جو بھی نبی ﷺ کے حج میں اقتداء کی غرض سے استفادہ کی خاطر نظر دوڑائے گا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال افعال میں اللہ کے شعائر کے تعظیم کی واضح صورت اور اس کا واضح ترین معنی نظر آئے گا[1]۔

اے اللہ ہمارے اعمال کو صالح اور اپنے رضا کے لئے خالص بنا ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی والے اعمال کی توفیق عطا کر اور ہمیں متقین کے ساتھ اٹھا اور ہمیں اپنے نیک بندوں سے ملادے اور اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

[1] دیکھئے:أحوال النبی ﷺ فی الحج تالیف/فیصل بن علی البعدانی۔

[۱۲/۴]

# قربانی کا حکم اور اسکی فضیلت کا بیان

عن أنس رضي الله عنه قال: (( ضحى النبي بكبشين أملحين أقرنين...)) الحديث.
أخرجه البخاري ومسلم.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :(( نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سفید دھاری دار دو سینگ والے مینڈھوں کی قربانی پیش کی))۔بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج کی ہے[1]۔

یہ حدیث قربانی کی مشروعیت، اس کے حکم اور اس کے اہتمام پر ابھارنے پر دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی کام فرمانبرداری اور قربت کے طور پر کریں اور وہ آپ کیلئے خاص بھی نہ ہو تو وہ عمل آپ کی امت کیلئے بھی مستحب ہے۔

قربانی ان مؤکدہ سنتوں میں سے ہے جن کا صاحب استطاعت مسلمان پر اپنی اور اپنے اہل خانہ اور فوت شدگان کی طرف سے اہتمام کرنا چاہیئے، لہذا وہ ان سب کو اللہ کے حکم کی بجاآوری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے قربانی کے ثواب میں اپنے ساتھ شریک کرے تاکہ سبھی اس اجر عظیم کا مستحق بن سکیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔

اور غیر مستطیع جس کے پاس صرف اپنے اہل و عیال کا خرچ ہی میسر ہو اس کے لئے قربانی ضروری نہیں اسی طرح مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کو قربانی پر مقدم کرے گا کیوں کہ استطاعت کی صورت میں ذمہ داری سے براءت واجب ہے۔

رہی بات قربانی کا جانور خریدنے کی خاطر قرض لینے کی تو اگر انسان کو قرض کے ادائیگی کی امید ہو جیسے کسی کی تنخواہ وغیرہ آنے والی ہو تو ایسا شخص قرض لے کر کے قربانی کرے گا، اور اگر

---

[1] صحیح بخاری(۵۲۳۳)، اور صحیح مسلم (۱۹۶۶)۔

قرض کے ادائیگی کی امید نہیں ہے تو قرض نہیں لے گا تاکہ وہ اپنے اوپر کوئی ایسا بوجھ نہ اٹھالے جو کہ اس جیسے کیلئے لازم نہیں۔

قربانی میں ابراہیم علیہ السلام کی سنت زندہ کی جاتی ہے، اس طرح خون کو بہا کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتاہے اور قربانی کے ذریعہ اپنے اہل خانہ اور فقراء کیلئے عید کے دن کشادگی ہوتی ہے ، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ہدیہ دیا جاتاہے قربانی کا ذبح کرنا اس کی قیمت کے صدقے سے افضل ہے۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اونٹ اور گائے میں سات لوگ بطور مالک شریک ہو سکتے ہیں اور ان کا ساتواں حصہ ایک بکری کے برابر شمار ہوگا، رہی بات بکری کی تو اس میں مالک ہونے کی حیثیت سے دو یا زیادہ لوگوں کی شراکت درست نہیں ہاں ثواب کے اندر شراکت جائز ہے جیسا کہ گذر چکاہے اور اسی طرح دو لوگوں کا شراکت میں ایک بکری خرید کر اپنے علاوہ کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے کیونکہ یہ تبرع کے باب سے ہے۔

اگر لڑکا الگ گھر میں سکونت پذیر ہو تو اس کیلئے بھی قربانی مشروع ہے اور اگر اپنے والد کے ساتھ ایک ہی گھر میں ہو تو والد کی قربانی اس کے لئے بھی کافی ہوگی، اور شوہر کے پاس اگر ایک سے زائد گھر ہوں تو اس کے لئے ایک قربانی کافی ہوگی جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا تھا۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ: میں نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ قربانی کس طرح کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: آدمی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی جانب سے ایک بکری قربان کیا کرتے تھے اور اسی میں سے کھاتے تھے یہاں تک کہ لوگوں میں فخر ومباہات عام ہوگئی اور اب جیسا کچھ ہورہاہے' وہ آپ کے سامنے ہی ہے [1]۔

---

([1]) اس کی تخریج امام ترمذی (۱۵۰۵)، اور مالک (۲/ ۴۸۶)، اور ابن ماجہ (۳۱۴۷) نے کی ہے اور امام ترمذی نے کہاہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب قربانی کا مقصد اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر ذبح کرنا ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اس شعیرہ کو زندہ کرے اور اپنے قربانی کو اپنے گھر میں ذبح کرے خود بھی کھائے اور لوگوں کو بھی کھلائے اللہ تعالی کا حاجیوں کی جانب سے بیت حرام کیلئے روانہ کئے گئے جانوروں کے سلسلے میں فرمان ہے: ﴿فكلوا منها و أطعموا البائس الفقير﴾[الحج:٢٨](چنانچہ اس میں سے کھاؤاور ضرورت منداور فقیر کو بھی کھلاؤ) جس سے مراد سخت حاجتمنداور بے مال انسان ہے اور جو لوگ غریب ممالک میں لوگوں کو فائدہ پہونچانا چاہیں توان کے لئے خیر کے بہت سے دروازے ہیں۔

اے اللہ ہم تیری رحمت کے امید وار ہیں، ہمیں ایک پل کیلئے بھی ہمارے نفوس کے حوالے نہ کرنااور ہمارے تمام معاملات کو درست کردے تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[۱۲/۵]

# قربانی کے بعض احکام کا بیان

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن)). أخرجه مسلم.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تم دانتا جانور ہی ذبح کرو اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو چھ ماہ کا بھیڑ ذبح کرو)) اس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کے درست ہونے کیلئے جانور کا شریعت میں معتبر عمر کو پہونچنا شرط ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((تم دانتا جانور ہی ذبح کرو)) اور حدیث میں وارد لفظ "مسنة" میم کے پیش اور سین کے زیر اور اس کے بعد تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی دانتا ہوا ہونا ہے اور "جذعة" اس سے کم عمر کا ہوتا ہے (جسے کھیرا کہا جاتا ہے) چنانچہ **اونٹ میں دانتا ہوا جانور پانچ سال کا ہوتا ہے اور گائے میں دو سال کا اور بکری میں ایک سال کا** ،اونٹ، گائے اور بکری میں سے بلا دانتا جانور قربان کرنا درست نہ ہوگا۔

بکری کے جنس میں صرف بھیڑ کا حکم علیحدہ ہے کہ اس کا جذعہ یعنی چھ ماہ پورا کر چکا بھیڑ قربان کرنا جائز ہے ،اور حدیث کا ظاہری معنی یہی ہے کہ بھیڑ کے چھ ماہ کا بچہ دانتا جانور حاصل کرنے میں مشکل یا نہ ملنے یا اس کی قیمت نہ ہونے کی صورت میں ذبح کیا جا سکتا ہے، لیکن جمہور اہل علم نے اس حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ: بھیڑ میں سے چھ ماہ کا جانور دانتا ہوا جانور

---

[1] صحیح مسلم (۱۹۶۳)۔

میسر ہونے کے باوجود بھی ذبح کیا جاسکتا ہے؛دوسرے دلائل کی وجہ سے جن کو جمع کرنے سے چھ ماہ کے بھیڑ کو ذبح کرنے کا جواز ملتا ہے[1]۔

جبانسانقربانی کا جانور خریدےاور اس کی تعیین کرلے چاہے بول کر جیسے کہے کہ :(یہ قربانی کا جانور ہے)یا روز عید اسے قربانی کی نیت سے ذبح کرکے اگرچہ ذبح سے پہلے اس بارے میں کچھ نہ بولے رہی بات قربانی کی نیت سے بلا تعیین جانور خریدنے کی تو اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔

قربانی کے جانور کی تعیین کے بعد درج ذیل احکام لازم آئیں گے :

١-اس کا بیچنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہوگا اسی طرح اس کا بدلنا بھی درست نہیں الا یہ کہ اس سے بہتر جانور سے بدلہ جائے اور تعیین کرنے والے کے وفات کی صورت میں اس کی طرف سے ذبح کیا جائے گا اور اس کے ورثہ کھانے صدقہ کرنا یا تحفہ دینے میں اس کے قائم مقام ہوں گے۔

٢-اگراس میں کوئی ایسا عیب آجائے جس کے سبب اس کی قربانی جائز نہ ہو جیسے واضح طور پر لنگڑا ہو جائے تو اس صورت میں اگر اس کی تفریط کے سبب ہے تو تندرست جانور سے اس کا بدلنا لازمی ہوگا اور اگر اسکی تفریط وجہ نہ بنی ہو تو اسے ہی ذبح کیا جائے گا اور اس کی قربانی جائز ہوگی۔

٣-اگر جانور غائب ہو جائے یا چوری ہو جائے اور ایسا اس کی لاپرواہی کے سبب ہو تو اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کرنا ضروری ہوگا،اور اگر ایسا اس کی لاپرواہی کے سبب نہ ہوا ہو تو اس پر کچھ بھی لازم نہ آئے گا،جب بھی ملے اسے ذبح کرکے یوم النحر (قربانی کے دن) کی طرح اس کے گوشت کو کھائے تقسیم کرے اور ہدیہ کرے گا اگرچہ ذبح کا وقت نکل چکا ہو۔

٤-اس میں سے کسی بھی چیز کا بیچنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں سے قصائی کو اجرت کے طور پر کچھ دیا جائے گا۔

---

[1] دیکھئے: أحكام الاضحية والذكاة از شیخ محمد العثیمین (ص ٣٣)۔

ہاں قربانی کا وہ گوشت جو اسے بطور ہدیہ یا صدقہ ملا ہو تو اس میں اسے اپنی منشاء کے مطابق تصرف کا مکمل حق ہے چاہے تو ہدیہ دے یا بیچے کیونکہ وہ اس کی مکمل ملکیت ہے لیکن جس نے اسے یہ ہدیہ یا صدقہ دیا ہے اس سے نہ فروخت کرے۔

اے اللہ ہم تجھ سے ہر خیر کا سوال کرتے ہیں جو ہم جانتے ہیں اس کا بھی اور جو نہیں جانتے اس کا بھی اور ہم تجھ سے ہر برائی سے پناہ مانگتے ہیں جسے ہم جانتے ہیں ان سے بھی اور جسے نہیں جانتے ان سے بھی، اے اللہ تو ہمیں برے اخلاق اور اعمال اور خواہشات سے بچا اور اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[١٢/٦]

# جانور میں موجود وہ عیب جن کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: قام فینا رسول الله ﷺ فقال:((أربع لا تجوز في الأضاحي – وفي رواية: لا تجزئ- العوراء البين عورها، والمريضة البين مرضها، والعرجاء البين ظلعها، والكسيرة التي لا تنقي)). أخرجه أصحاب السنن وأحمد، وقال الترمذي : ((حديث حسن صحيح)).

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے بیچ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:((چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں۔ایک روایت میں ہے: کافی نہیں ہیں-کانا جس کا کانا پن واضح ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور کمزور جس میں گودی نہ ہو)) اصحاب سنن اور احمد نے اس کی تخریج کی ہے،اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ "حدیث حسن صحیح" ہے[1]۔

یہ حدیث ان چار قسم کے جانوروں کی قربانی کے ناجائز ہونے پر دلیل ہے کیونکہ ان میں ایسے عیب پائے جارہے ہیں جو قربانی کیلئے درست نہیں اسی پر دوسرے عیب کو بھی قیاس کیا جائے گا جو اس کے برابر یا اس کے بڑھ کر ہوں گے کیونکہ شریعت دو ہم مثل چیزوں کو الگ اور دو الگ چیزوں کو یکجا نہیں کرتی ہے۔

**پہلا عیب: ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو:** یعنی وہ جانور جس کی آنکھ دھنس گئی ہو یا باہر آگئی ہو، اگر جانور کے آنکھ پہ صرف سفیدی ہو اور بالکل ختم نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہوگی کیونکہ اس کا کانا پن ظاہر نہیں ہے کانے کے حکم میں اندھا بدرجہ اولی شامل ہوگا اور وہ بھی قربانی کیلئے درست نہ ہوگا گرچہ اس کی آنکھ دھنسی نہ ہو، کیونکہ اندھا پن اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلنے سے مانع ہوگا اور وہ چرنے میں ان سے پیچھے رہ جائے گا۔

---

([1])اس کی تخریج ابوداود(٢٨٠٢)،اور ترمذی(١٥٧١،١٥٧٢)،اور نسائی(٤٣٦٩)،اور احمد(٣٠/ ٤٦٨-٤٦٩) نے کی ہے۔

**دوسرا عیب: ایسا بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو:** ایسا جانور جس پر بیماری کے آثار ظاہر ہوں بایں طور کہ وہ سست رہے اور کھانا پانی چھوڑ دے جو کہ اس کی کمزوری کا سبب بنیں انہیں میں سے جرب [1](کھجلی) بھی ہے جس سے گوشت اور چربی خراب ہو جاتا ہے اور بسا اوقات کھانے والے کیلئے نقصاندہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

**تیسرا عیب: ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو:** "ظلع "لنگڑے پن کے معنی میں ہی ہے، "ظلع" ظاء اور لام کے زبر کے ساتھ غمز (لہر) کو کہتے ہیں پس "عرجاء" وہ جانور ہوا جس کے چلتے وقت اس کے ہاتھ یا پیر میں پیدائشی طور پر یا بعد میں کسی بیماری کے سبب لہر نمایاں ہو اور واضح لنگڑا پن کا مطلب ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے چلنے میں پیچھے رہ جائے۔

اسی کے ضمن میں کسی آفت کے سبب چلنے سے عاجز جانور بھی آئیں گے کیونکہ یہ واضح لنگڑے جانور کی بہ نسبت بدرجہ اولی قربانی کے قابل نہیں ہوں گے، اسی طرح ایک ہاتھ یا ایک پیر کٹا جانور کا بھی حکم ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں لنگڑے کے مقابلے زیادہ عیب ہے اور اس میں سے تو پورا ایک مطلوبہ عضو ہی غائب ہے۔

**چوتھا عیب: وہ کمزور جانور جس میں گودا نہ ہو:** "لاتنقي يعني لا نقي لها" اور نقی نون کے زیر اور قاف کے سکون کے ساتھ کا مطلب ہے جس میں کمزوری کے سبب گودا ہی نہ ہو اس طرح کے جانور کے گوشت بیشتر اوقات میں اچھا نہیں ہوتا۔

لہذا اگر عیب معمولی ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا جیسے کہ: اس کے آنکھ میں باریک سا نقطہ پایا جانا یا معمولی لنگڑا پن جس کے سبب جانور اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہ جاتا ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی اسی طرح اس کمزور بکری کا بھی حکم ہوگا جو بالکل ہی کمزور نہ ہو۔

---

([1]) جــرب: ایک ایسی بیماری جو جلد کے نیچے ہوتی ہے جس کے ساتھ دانے بھی ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات زیادہ مقدار میں ہونے کے سبب اس سے کمزوری بھی لاحق ہو جاتی ہے "المصباح المنير" (ص ۹۵)۔

حدیث کا مفہوم تو اسی بات پر دلیل ہے کہ یہ چاروں اور اس جیسے عیب کے علاوہ دیگر عیوب قربانی کیلئے مانع نہ ہوں گے، کیونکہ حدیث میں بیان اور حصر کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ یہ سوال وجواب کی صورت میں وارد ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ خطبہ اور اعلان کے حالت کی بات ہے جیسا کہ براء رضی اللہ عنہ کے قول: ((قام فينا)) سے واضح ہے اور اگر ان چاروں عیوب کے علاوہ کوئی اور عیب قربانی کی درستگی میں انع ہوتا تو اس کا ذکر کرنا لازم ہوتا اس لئے کہ نبی ﷺ کسی چیز کی وضاحت کو حاجت کے وقت سے مؤخر نہیں کرتے تھے۔

داغا ہونا، کان چھیدا ہونا، کان کٹا اور سینگ ٹوٹا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس سے جانور کا گوشت کم نہیں ہوتا اور غالبا ایسا واقع ہوتا ہے مگر ان سے پاک اور صحیح سالم جانور ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔

یاد رہے کہ پشت کٹے جانور کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس طرح اس جانور کے ایک مطلوب حصہ میں کمی واقع ہوتی ہے، ہاں اگر بکری ایسے جنس سے ہو جس میں پیدائشی طور پر پشت ہوتا ہی نہ ہو تو اس کی قربانی درست ہو گی۔

اے اللہ ہمیں مخالفت اور نافرمانی کے اسباب سے بچا، ہمیں اس طرح ایمان لانے کی توفیق دے جیسا تجھے پسند ہے، ہمارے اگلے پچھلے ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کو بخش دے، ان گناہوں کو بھی بخش دے جن کے بارے میں تو ہم سے زیادہ جانتا ہے، اور اے اللہ تو ہمیں، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[۱۲/۷]

# قربانی سے متعلق بعض مسائل

عـن أنـس رضي الله عنه قـال: ((ضـحى النبـي ﷺ بكبشـين أملحـين أقـرنين، ذبحهمـا بيـده، وسـمّى وكبّـر، ووضـع رجلـه علـى صِفَاحِهِمَا)). أخرجه البخاري ومسلم.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ((رسول اللہ ﷺ نے دو سیاہ دھاری دار سینگ والے بکروں کی قربانی کی، آپ ﷺ نے انہیں اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور "بسم اللہ" کہی تکبیر بھی کہا اور اپنے پیر کو ان کے گردن پر رکھا)) اس کی تخریج بخاری اور مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث قربانی سے متعلق کئی ایک مسائل پر دلالت کرتی ہے، ان میں سے چند اہم مسائل کو ہم یہاں مختصر طور پر بیان کریں گے:

1 - قربانی زندوں کے حق میں مشروع ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے رہی بات زندوں کے علاوہ میت کی جانب سے خاص قربانی کرنے کی جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وصیت کے سبب ایسا کیا جائے تو وصیت تو نافذ کی جائے گی۔

۲- قربانی میں مذکر جانور مونث کی بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے، مگر مونث جانور کی قربانی بھی بالاجماع جائز ہے۔

---

([1]) اس کی تخریج امام بخاری (۵۲۳۳) اور مسلم (۱۹۶۶) نے کی ہے۔

۳۔ سینگ والے جانور کی قربانی مستحب ہے اور یہ بغیر سینگ والے جانور سے افضل ہے کیونکہ اس کے بدن میں قوت ہوتی ہے اور اس کا گوشت بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن بغیر سینگ والے جانور کی قربانی بھی بالاتفاق جائز ہے۔

٤ -قربانی کے جانور کا رنگ اور صفت کے اعتبار سے بہتر انتخاب کرنا مشروع ہے، بایں طور کہ جانور موٹا اور اچھا ہو ان میں "املـح "سب سے بہتر ہے جس سے مراد وہ جانور ہے جو خالص سفید ہو یا جس کی سفیدی سیاہی سے زیادہ ہو ایسا کرنا اللہ کے شعائر کی تعظیم کے باب سے ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:﴿ذلـك ومـن يعظـم شـعائر الله فإنهـا مـن تقـوى القلـوب﴾[الحج: ۳۲]،اور فرمان الہی ہے:﴿والبـدن جعلناهـا لكـم مـن شـعائر الله﴾[الحج: ۳۵] لہذا "بـــدن "یعنی قربانی کے جانوروں کی تعظیم دراصل اللہ کے شعائر کی تعظیم ہے،ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :((موٹے ، اچھے اور بڑے جانور کا انتخاب کرنا مراد ہے))[1]۔

5-ذبح کا سلیقہ رکھنے والے شخص کیلئے قربانی کے جانور کا اپنے ہاتھوں ذبح کرنا مستحب ہے اگرچہ ذبح کرنے والی عورت ہو کیوں کہ ذبح کرنا قربت ہے اور اسی لئے صحابی نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ :((آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا)) کیوں کہ ذبح تو کیا ہی ہاتھ سے جاتا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں((ابو موسی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں سے قربانی کرنے کا حکم دیا))[2]لیکن اگر ذبح کرنے کا سلیقہ نہ ہو تو ذبح کے شروط کو جاننے والے کسی مسلمان شخص کو نائب بنادے اور ذبح کی جگہ خود بھی موجود ہو، نبی ﷺ نے حجـة الـوداع کے موقع پر قربانی کے باقی جانوروں کو ذبح کرنے کی خاطر حضرت علی کو نائب بنایا تھا[3]۔

---

([1]) تفسیر ابن کثیر (۵/ ۴۱۶)،اور فتح الباری (۳/ ۵۳۶)۔

([2]) فتح الباری (۱۰/ ۱۹)۔

([3])اس کی تخریج امام مسلم (۱۲۱۸) نے جابر کی حدیث سے کی ہے۔

٦- جو کئی جانور قربان کرنا چاہے اس کیلئے عید کے دن ہی ان کا ذبح کرنا افضل ہے اور قربانی کے دیگر ایام میں تفریق بھی جائز ہے اور ایسا کرنا مساکین کے لئے نفع بخش بھی ہے اور اہل علم کے دو قول میں سے راجح قول کے مطابق **ذبح کا سلسلہ ۱۳ویں تاریخ کے اخیر تک** جاری رہتا ہے۔

۷- قربانی کرتے وقت "بسم اللہ" اور "اللہ اکبر" کہنا مشروع ہے، لہذا ذبح کرنے والے کو: ((بسم الله و الله اكبر)) کہنا چاہئے، بسم اللہ کہنا واجب ہے اور تکبیر مستحب کہنا ہے، اس سے زیادہ کچھ کہنا سنت سے ثابت نہیں سوائے قبولیت کی دعاء کے اس لئے کہ قبولیت کی دعاء نبی ﷺ سے ثابت ہے [1]، اس موقع پر نبی ﷺ پر درود بھیجنا بھی مشروع نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا اس مقام کیلئے نامناسب ہے۔

"بسم اللہ" کا ذبح کے وقت کہنا ضروری ہے اگر زیادہ وقفہ ہو جائے تو دوہرایا جائے گا، سوائے اس کے کہ وقفہ ذبح کی تیاری اور چھری پکڑنے کے لئے ہو اور بسم اللہ کا اعتبار اس جانور پر ہوگا جس کے ذبح کی نیت کی گئی ہو اگر کسی بکری پر بسم اللہ پڑھ کر اسے چھوڑ دے اور دوسری بکری ذبح کرنا چاہے تو پھر سے "بسم اللہ" کرے لیکن بھی ذبح کے آلہ کی تبدیلی سے "بسم اللہ" پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

اے اللہ ہماری فرماں برداریوں کو قبول فرما، ہماری کوتاہیوں کو در گذر کردے، اے اللہ ہمیں نفع بخش علم، مقبول عمل اور پاکیزہ رزق عطا کر، اللہ تو ہماری دعائیں قبول فرما، ہماری امیدوں کو پوری کر اور اے اللہ تو ہمیں، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

([1]) دیکھئے: صحیح مسلم (۱۹۶۷)۔

[۱۲/۸]

# یوم عرفہ کے روزے کی فضیلت

عن أبي قتادة الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ سئل عن صوم يوم عرفة، قال: ((يكفر السنة الماضية والسنة القابلة)). أخرجه مسلم.

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے)) اس کی تخریج مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث یوم عرفہ کے روزے کی فضیلت اور اللہ کے یہاں اس کے ثواب جزیل کی دلیل ہے بایں طور کہ اس کا روزہ رکھنے پر دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

عرفہ کا روزہ حاجیوں کے علاوہ عام مسلمانوں کیلئے مستحب ہے کیونکہ حاجی نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے افطار کرے گا اس سلسلے میں مکی اور دیگر لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لہذا اپنے دیار میں مقیم مسلمانوں کو اس عظیم دن کے بارے میں وارد اجر کو غنیمت جانتے ہوئے روزے کا اہتمام کرنا چاہئے اور اگر یوم عرفہ جمعہ یا سنیچر کے دن پڑے تو بھی اس کا روزہ رکھنا مستحب ہوگا رہی بات صرف جمعہ یا سنیچر کو روزے سے وارد ممانعت کی تو یہ جمعہ یا سنیچر کے سبب روزہ رکھنے کے سلسلے میں ہے اور یوم عرفہ کا روزہ عرفہ کی وجہ سے رکھا جائے گا چاہے جمعہ کا دن ہو یا کوئی اور دن کیونکہ اس صورت میں جمعہ کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا جاتا۔

---

[1] صحیح مسلم (۱۱۶۲)۔

یوم عرفہ کے روزے سے معاف ہونے والے گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور کبائر جیسے زنا سود خوری جادو وغیرہ کا کفارہ نیک اعمال نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے توبہ کرنا ضروری ہوگا یا جس کے بارے میں حد وارد ہے اس پر حد نافذ کیا جائے گا یہی جمہور کا قول ہے [1]۔

مسلمان کو یوم عرفہ کی شام میں اس کی فضیلت اور قبولیت کی امید میں دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ روزے دار کی دعاء قبول ہوتی ہے، اور افطاری کے وقت روزے دار کے دعا کی قبولیت کا کافی قوی امکان ہوتا ہے۔

عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق تک تکبیر کہنا مشروع ہے، جس کی صفت یوں ہے: ((الله أكبر ، الله أكبر ،لا إله إلا الله ، والله أكبر ، الله أكبر ، ولله الحمد)).

امام احمد سے کہا گیا: کس حدیث کی روشنی میں آپ عرفہ کے دن فجر سے آخری ایام تشریق تک تکبیر کے قائل ہیں؟ انہوں نے کہا: ((عمر علی ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اجماع کے سبب)) [2]۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: ((ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صبح کے وقت منی سے عرفات کے کیلئے نکلے اس وقت ہم میں سے کچھ لوگ تلبیہ پکار رہے تھے اور کچھ تکبیر بلند کر رہے تھے)) [3]۔

---

([1]) دیکھئے: (ص١٦)۔

([2]) المغنی (٢٨٩/٣)، اور المجموع (٣٥/٥) اور دیکھئے: العدة از ابی یعلی (٤/ ١٠٦١)، اور فتح الباری از ابن رجب (٦/ ٩٧)۔

([3]) اس کی تخریج مسلم (١٢٨٤) نے کی ہے اسی کے مثل انس سے بھی مروی ہے، جسے امام بخاری (١٦٥٩)، اور مسلم (١٢٨٥) نے روایت کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا : " تکبیر کے سلسلے میں سب سے صحیح قول جس پر فقہاء صحابہ اور ائمہ میں سے جمہور سلف کا عمل ہے وہ یہی ہے کہ اسے عرفہ کے دن نماز فجر سے آخری ایام تشریق تک ہر نماز کے بعد پڑھا جائے "(1)۔

اے اللہ سب سے زیادہ کرم کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے، ہم تجھ سے تیری جنتوں میں ہیشگی کا سوال کرتے ہیں اور ہم تجھ سے تیری خوشنودی چاہتے ہیں ہم تیرے چہرے کی طرف دیدار کی لذت کے طلبگار ہیں، اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

(1) مجموع الفتاوی (۲۴/ ۲۲۰-۲۲۲)۔

[۱۲/۹]

# یوم عید کے شعائر

عن عبدالله بن قرط رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((إن أعظم الأيام عند الله تعالى يوم النحر ثم يوم القر)). أخرجه أبوداود بإسناد صحيح.

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اللہ تعالی کے نزدیک سب سے بڑا دن قربانی کا دن ہے پھر منی میں ٹھہرنے کا پہلا دن ہے)) اس کی تخریج ابوداؤد نے صحیح سند سے کی ہے[1]۔

✿✿

یہ حدیث یوم النحر کی فضیلت پر اور اس کے اللہ کے نزدیک سب سے عظیم دن ہونے کی دلیل اور-راجح قول کے مطابق-وہی حج اکبر کا دن بھی ہے، جیسا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((حج اکبر کا دن قربانی والا دن ہے))[2]۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق ہم مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے...))[3]۔

---

([1]) اس کی تخریج ابوداود (۱۷۶۵)، اور احمد (۳۱/ ۴۲۷) اور ابن خزیمہ (۲۸۶۶، ۲۹۱۷، ۲۹۶۶) اور حاکم (۴/ ۲۲۱) نے کی ہے، اور یوم القر: یوم النحر کے بعد والے دن کو کہا جاتا ہے، کیونکہ لوگ اس دن منی میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔

([2]) اس کی تخریج ابوداود (۱۹۴۵)، اور ابن ماجہ (۳۰۵۸) نے کی ہے ہے، امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۷۴۲) کے بعد ہی معلقا روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح مسلم (۱۳۴۷)، اور تہذیب السنن (۱/ ۳۸۷)۔

([3]) اس کی تخریج ابوداود (۲۴۱۹)، اور ترمذی (۷۷۳) اور نسائی (۵/ ۲۵۲)، اور احمد (۲۸/ ۶۰۵) نے کی ہے اور ترمذی نے حدیث حسن صحیح کہا ہے، اور اسے ابن خزیمہ (۲۱۰۰) اور ابن حبان (۸/ ۳۶۸) نے بھی صحیح قرار دیا ہے، لیکن یوم عرفہ کا ذکر غیر محفوظ ہے۔ دیکھئے: التمہید (۲۱/ ۱۶۳)۔

قربانی والی عید عید الفطر سے افضل ہے ،اس لئے کہ قربانی والی عید میں نماز اور ذبح دونوں یکجا ہو جاتے ہیں اور عید الفطر میں صدقہ اور نماز ہوتے ہیں اور قربانی صدقہ سے افضل ہے اسی طرح قربانی والے عید میں بیت اللہ کے حاجیوں کیلئے زمان و مکان دونوں اعتبار سے شرف کا اجتماع ہوتا ہے[1]۔

اس دن کے کئی اہم کام ہیں جنہیں ہم سطور ذیل میں بترتیب بیان کررہے ہیں:

۱- عید گاہ کیلئے نبی ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اچھی حالت میں مباح زینت اختیار کرکے نکلنا-اور بعض لوگوں کی طرح صفائی اور زینت کو قربانی کے ذبح کرتے وقت تک موخر نہ کرنا- عید گاہ جلدی پہونچنا؛تاکہ امام سے قریب جگہ اور نماز کے انتظار کی فضیلت حاصل ہوسکے۔

۲- عید گاہ جاتے وقت راستے میں اور وہاں پہونچ کر امام کے داخل ہونے تک تکبیر پکارنا مسنون ہے،امام کے خطبہ شروع کرتے ہی تکبیر ترک کردیا جائے گا، لیکن اگر امام دوران خطبہ تکبیر کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی تکبیر پکارے۔

۳- راستے کا بدلنا بھی مسنون ہے، بایں طور کہ ایک راستے سے جائیں اور دوسرے سے واپس آئیں، جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :((نبی ﷺ عید کے دن راستے کو بدل لیا کرتے تھے))[2]۔

۴- عید الاضحی میں نماز کی ادائیگی تک کچھ نہ کھانا مسنون ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ :((نبی ﷺ عید الفطر کے دن بلا کچھ کھائے نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحی کے دن نماز کی ادائیگی تک کچھ نہیں کھاتے تھے))[3]۔

---

([1]) دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ (۲۳/ ۲۲)۔

([2]) اسے بخاری (۹۸۶) نے روایت کیا ہے۔

([3]) اس کی تخریج ترمذی (۵۴۲)،اور ابن ماجہ (۱۷۵۶) اور احمد (۸۷/۳۸) نے ثواب بن عتبہ کے طریق سے کی ہے انہوں نے عبداللہ بن بریدہ انہوں نے اپنے والد سے مرفوعا روایت کیا، اور اس کی اسناد حسن ہے، ثواب بن عتبہ متکلم فیہ ہیں، ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے، اور

۵- عید کی نماز سنت مؤکدہ ہے جس کی ادائیگی کا اہتمام ہر مسلمان کو کرنا چاہئے اور اسلام کے شعائر کو ظاہر کرتے ہوئے عورتوں اور بچوں کو بھی اس میں شمولیت پر ابھارنا چاہئے، بعض اہل علم نے اسے واجب بھی کہا ہے۔

۶- نماز اور خطبہ کے بعد اگر ذبح کر سکتا ہو تو قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اس میں سے خود بھی کھائے اور رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو تحفہ بھی دے اور فقیروں پر صدقہ بھی کرے اور قربانی کے گوشت کا ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے رہی بات اس کے تین دن کے بعد کھانے یا ذخیرہ کرنے سے ممانعت کی تو وہ جمہور کے قول کے مطابق منسوخ ہے، اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جب بھی لوگ ضرور تمند ہو جائیں ذخیرہ کرنا حرام ہو گا لہٰذا یہ حکم منسوخ نہیں۔

قربانی کے گوشت کی بے حرمتی کرنا اور صاف کرنے میں مشقت کے بہانے اسے پھینکنا جائز نہیں بلکہ اس کے ہر چیز سے استفادہ یا استفادہ کرنے والوں کو دے دینا اللہ کی نعمتوں کا شکر ہے اگرچہ اس کے لئے محنت ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

۷- عید کی مناسبت سے مبارکباد دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور والدین اور رشتہ داروں کی زیارت واجب ہے، ان کی زیارت دینی بھائیوں کی زیارت پر مقدم ہے کیونکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان لوگوں سے ابتداء کرے جن کے حقوق زیادہ بڑے اور ضروری ہیں۔

اے اللہ ہمارے نفوس کو تقوی عطا کر، انہیں پاک کردے، تو ہی انہیں سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی ہمارا مولی اور کارساز ہے، اے اللہ ہمارے تمام معاملات کے انجام کو بہتر بنا دے، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ اور اے اللہ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

ابوداود نے "لیس بہ باس" کہا ہے، اس طرح وہ صدوق ہوں گے ان کی حدیث حسن ہو گی، اس حدیث کو امام حاکم (۱/ ۲۹۴) نے صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، اسے ابن حبان (۲۸۱۲)، اور ابن خزیمہ (۱۴۲۶)، اور ابن قطان نے بھی اپنے بیان (۵/ ۳۵۶) میں صحیح قرار دیا ہے۔

[۱۲/۱۰]

# ایام تشریق کی فضیلت

عن نبيشة الهذلي رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((أيام التشريق أيام أكل وشرب))، وفي رواية: ((وذكر لله)). أخرجه مسلم.

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں))، اور ایک روایت میں ہے: ((اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں))۔ اس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث ایام تشریق کی فضیلت کی دلیل ہے اور ایام تشریق گیارہویں بارہویں اور تیرہویں ذوالحجہ کو کہا جاتا ہے ان کا یہ نام اس لئے پڑا کیونکہ اس دن وہ قربانی اور ہدی کے جانوروں کے گوشت میں نمک وغیرہ لگا کر سوکھنے کیلئے رکھا کرتے تھے۔

یہ ایام فضیلت والے اور عظیم مواسم میں سے ہیں، فرمان باری تعالی: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾[البقرة:۲۰۳](چند دنوں میں اللہ کا ذکر کیا کرو) میں مذکورہ ایام معدودات بھی یہی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ کئی لوگوں نے نقل کیا ہے۔

یہ حدیث درج ذیل دو باتوں پر دلالت کرتی ہے:

۱- ایام تشریق کھانے پینے اور خوشی منانے اور اہل وعیال اور بچوں پر خرچ کرنے کے دن ہیں لہذا جس سے انہیں راحت ملے اور وہ خوش ہوں انہیں ان تفریحی اُمور کی اجازت دی جائے، لیکن اس بارے میں یہ دھیان رہے کہ ان اَیام میں بھی حرام آسائش اور اللہ کی فرماں برداری

(1) صحیح مسلم (۱۱۴۱)۔

سے غافل کرنے والے اُمور سے بچنا ضروری ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ((یوم عرفہ یوم النحر اور ایام تشریق ہم مسلمانوں کے عید کے دن ہیں))[1]۔

ہاں کھانے پینے میں کشادگی اور خاصطور پر گوشت کھانے کے سلسلے میں کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ رسول ﷺ نے اس دن کو کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے مگر اسراف و تبذیر اور اللہ کے انعامات کی بے حرمتی سے بچنا ضروری ہے۔

**دوسری بات:** یہ دن اللہ کے ذکر کا دن ہے، لہذا فرض نمازوں کے بعد اور تمام مناسب اوقات اور احوال میں تکبیر پکارا جائے، اس ذکر میں کھانے پینے پر بسم اللہ پڑھنا اور کھانے کے بعد اللہ کی حمد بھی داخل ہے اور اگرچہ یہ اذکار ہمہ وقت پڑھنے چاہئے مگر ان دنوں میں ان کا پڑھنا اور ضروری ہو جاتا ہے۔

لہذا ایک مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ذکر میں غفلت سے بچے تاکہ اس شخص کے مانند نہ ہو جائے جس نے حدیث کا پہلا ٹکڑا تو لیا مگر آخری ٹکڑا چھوڑ دیا بلکہ اسے چاہئے کہ ان فاضل اوقات کو طاعت اور خیر کے کاموں سے بھرے اور انہیں لہو ولعب میں ضائع نہ کرے جیسا کہ اس زمانے میں بہت سے لوگوں کا حال ہے کہ وہ رات بھر جاگتے ہیں اور فرض نمازوں کو ان کے وقت میں نہیں ادا کرتے وقت کو ضائع کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور لہو وطرب کے آلات پر بیٹھ کر استعمال کرتے ہیں۔

یہ جاننا چاہئے کہ ایام تشریق کے روزے راجح قول کے مطابق مطلقا جائز نہیں چاہے حاجی ہو یا غیر حاجی اور نہ ہی اس دنوں میں آنے والے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا جائے گا اور نہ ہی ایام بیض کی تیرہویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے گا اس میں سے وہ شخص مستثنی ہو گا جو حج تمتع یا قرآن کی نیت کیا ہو مگر اسے ہدی کا جانور نہ مل سکے تو وہ ان دنوں میں روزہ رکھے گا جیسا کہ حضرت

---

([1])اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص ۳۱)۔

ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے ان کا قول وارد ہے کہ :((ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت ہدی کا جانور نہ پانے والے کے علاوہ کسی کو نہیں ))[1]۔

اے اللہ تو ہمارے آخری ایام کو سب سے بہترین ایام بنا اور بہترین اعمال خاتمے والے اعمال کو بنا اور تیرے ملاقات کے دن کو ہمارے لئے سب سے بہتر دن بنا اور ہمیں اس حال میں وفات دے کہ تو ہم سے راضی ہو اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

([1])اس کی تخریج بخاری (۱۸۹۴) نے کی ہے، دیکھئے: فتح الباری (۴/۲۴۳)۔

# اللہ کے

# مہینہ(محرم)

# سے متعلق

# احادیث

# دنوں اور سالوں کے گذرنے سے عبرت کا حصول

فرمان باری تعالی ہے: ﴿إن في خلق السموات والأرض واختلف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب﴾[آل عمران: ١٩٠]، (بیشک آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور رات ودن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں) اور فرمان باری تعالی ہے: ﴿إن في اختلاف الليل والنهار وما خلق الله في السماوات والأرض لآيات لقوم يتقون﴾[یونس: ٦]، (بیشک رات ودن کے آنے جانے اور اللہ کے آسمان وزمین کے پیدا کرنے میں متقی لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں) اور فرمان باری تعالی ہے: ﴿يقلب الليل والنهار إن في ذلك لعبرة لأولي الأبصار﴾[النور: ٤٤] (وہ رات ودن کو الٹ پھیر کرتا ہے‘ بیشک اس میں نظر والوں کے لئے عبرت ہے).

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالی نے کائنات میں موجود اپنی نشانیوں کی خبر دی ہے جو اس کے علم وقدرت اور حکمت ورحمت کی انتہا پر دلالت کرتی ہیں، انہیں نشانیوں میں سے رات ودن کا آنا جانا اور ان کا چھوٹا اور بڑا ہونا اور ان میں سردی وگرمی اور معتدل موسم کا آنا بھی ہے، یقیناً ان سب میں زمین پر رہنے بسنے والوں کے لئے بہت سی عظیم مصلحتیں پنہا ہیں جو کہ اپنے بندوں پر اللہ کی رحمت کے مظہر ہیں، جسے صرف اچھی عقل اور چشم پر نور رکھنے والے ہی جانتے ہیں، صرف وہی لوگ رات دن سورج چاند کی تخلیق اور ماہ وسال اور شب وروز کے یکے بعد دیگرے آنے میں اللہ کی حکمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

اللہ تعالی نے رات ودن کو اعمال کے مواقع اور عمر کے مراحل بنائے ہیں ایک کے جانے کے بعد اس کے پیچھے ہی دوسرا موسم آتا ہے تاکہ نیکیوں میں پیش رفت کرنے والوں کی ہمت بڑھے اور وہ فرماں برداری کے کاموں میں چست وپھرت رہیں، پس اگر کوئی رات میں عمل نہ کرسکے تو دن میں اس کی تلافی کرلے اور جس سے دن کی عبادت رہ جائے وہ رات میں اسے پالے، اسی بابت

فرمان باری تعالی ہے: ﴿وهو الذي جعل الليل والنهار خلفة لمن أراد أن يذكر أو أراد شكورا﴾ [الفرقان: ٦٢]۔

لہذا ایک مومن کو چاہئے کہ وہ شب وروز کی آمد ورفت سے عبرت حاصل کرے بایں طور کہ وہ ہر نئی چیز کو پرانی کر دیتے ہیں، ہر دور کو نزدیک کر دیتے ہیں اور عمر کو سمیٹ دیتے ہیں بچوں کو بوڑھا اور بڑوں کو موت کے آغوش میں پہونچا دیتے ہیں اور ہر گذرنے والا دن انسان کو دنیا سے دور اور آخرت سے قریب کرتا ہے۔

پس کامیاب ہے وہ شخص جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے' اپنے عمر کے ڈھل جانے کے سلسلے میں غور و فکر کرے' اپنے وقت کو دین یا دنیا کے مفید اور نفع بخش کاموں میں صرف کرے' جو اپنے نفس سے غافل ہو جائے گا اس کے اوقات ضائع ہو جائیں گے اور بہت خسارے میں ہو گا، اسے حسرت وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا، ہم تفریط وتسویف سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

ان دنوں ہم اپنے اعمال پر شاہد ایک گذرے ہوئے سال کو الوداع کہہ کر آنے والے نئے سال کا استقبال کر رہے ہیں، لہذا ہمیں اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے چنانچہ جس نے واجبات میں کوتاہی کی ہے وہ توبہ کرے اور کوتاہیوں کی تلافی کرے اور جو اللہ اور اسکے رسول کے منع کردہ باتوں کا ارتکاب کر کے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوا سے موت سے پہلے اس برائی کو چھوڑ دینا چاہئے اور جسے اللہ نے استقامت کی توفیق دی ہے وہ اس پر اللہ کی تعریف بیان کرے اور مرتے دم تک اسی حالت میں ثابت قدمی کی دعا کرے۔

یاد رہے کہ یہ محاسبہ صرف انہیں ایام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمہ وقت اور ہر گھڑی مطلوب ہے، یقینا جس نے بھی اپنے نفس کے محاسبہ کو لازم پکڑ لیا اس کے احوال درست ہو گئے اس کے اعمال صالح ہو گئے اور جو اس سے غافل ہو گیا اس کی حالت خراب ہو گئی اور اس کے اعمال فاسد ہو گئے۔

سب سے زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ سال کی شروعات میں بیشتر لوگ اپنے احوال کی درستگی کا عزم مصمم کرتے ہیں مگر دن اور مہینے یکے بعد دیگرے گذرتے جاتے ہیں، سال بھی ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کی حالت میں کچھ بھی تبدیلی نہیں آتی، نہ وہ اچھائیوں میں پہل کرتا ہے اور نہ ہی برائیوں سے توبہ کرتا ہے، واقعی یہ ناکامی اور نامرادی ہی کی علامت ہے۔

اے اللہ ہمارے لئے اس سال کو قوت و نصرت اور برکتوں کا سبب بنا، اس میں فرماں برداری کے کاموں پر ہماری مدد فرما، ہمارے آخری اعمال کو ہمارے بہترین اعمال بنا، ہمارے عمر کے آخری حصے کو زندگی کا بہترین لمحہ بنا، اپنے ملاقات کے دن کو ہمارے لئے سب سے بہترین دن بنا، اے اللہ مسلمانوں کو اپنی اطاعت کے ذریعہ قوت عطا کر اور انہیں معصیت کے سبب ذلیل مت کرنا، اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

# دنیا کی لالچ سے بچنے کی ترغیب

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: أخذ رسول الله ﷺ بمنكبي فقال: (( كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل)). وكان ابن عمر رضي الله عنهما يقول: ((إذا أمسيت فلا تنتظر الصباح، وإذا أصبحت فلا تنتظر المساء، وخذ من صحتك لمرضك، ومن حياتك لموتك)). أخرجه البخاري.

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ((دنیا میں اجنبی یا مسافر کی مانند رہو))۔اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ :((جب تم شام کرلو تو صبح ہونے کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرلو تو شام کا انتظار مت کرو اور اپنی صحت کے دنوں میں بیماری کے دنوں کی تیاری کرلو اور زندگی میں موت کی تیاری کرلو))۔اس کی تخریج امام بخاری نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث اوقات کو غنیمت جاننے کے وجوب پر دلیل ہے اور اس میں دنیا کی لالچ سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، توبہ اور موت کی تیاری کا حکم بھی دیا گیا ہے، اور یہ حدیث آخرت کی تیاری پر ابھارنے اور دنیا کی رعنائیوں سے دھوکہ نہ کھانے کے بارے میں سب اہم حدیث ہے، بایں طور کہ دنیا فانی ہے انسان چاہے جتنی لمبی عمر پالے یہ صرف گذرگاہ ہے قیام کی جگہ نہیں اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہی اصل حقیقت ہے ہم یہی نظام ہر دن اور رات دیکھتے ہیں اور ہر گھڑی ہر لمحہ محسوس بھی کرتے ہیں، لہذا جب انسان کو اپنے آخری دن اور موت کے وقت کا پتہ نہیں ہے تو اسے کوچ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے، اور مسافر کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے، دنیا میں کھو جانا یا اسی کو اپنا دائمی ٹھکانا اور ہمیشہ یہیں رہنے کا تصور کرلینا درست نہیں، اس لئے ہم یہاں اتنا ہی تعلقات استوار کریں جس طرح ایک مسافر اپنے وطن سے دور دیار غیر میں رہ کر ہمیشہ اس راحت اور سکون

---

(1)((صحیح بخاری))(٦٤١٦)۔

سے الگ ہونے کی بابت سوچتا رہتا ہے، پس یہاں ہمیں اس مسافر کی طرح رہنا چاہئے جو دوران سفر اتنی تھوڑی چیزوں پر اکتفاء کرلیتا ہے جو اسے اسکی منزل اور ہدف تک پہونچادیں۔

یقیناً صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے اس نصیحت سے علمی اور عملی طور پر استفادہ کیا اور اس سے **درج ذیل تین عظیم وصیتیں اخذ کیں:**

پہلی وصیت:((إذا أمسيت فلا تنتظر الصباح ، وإذا أصبحت فلا تنتظر المساء)). ترجمہ: جب تم شام کرلو تو صبح ہونے کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرلو تو شام کا انتظار مت کرو۔ جس کا معنی مومن کو اس زندگی میں تمناؤں کو مختصر کرنے پر ابھارنا ہے، اسے چاہئے کہ جب وہ شام کرلے تو صبح کا انتظار نہ کرے اور جب صبح کر ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ اس سے پہلے اس کا وقت اختتام پذیر ہو جائے گا۔

دوسری وصیت:((وخذ من صحتك لمرضك)). ترجمہ: اپنی صحت کے دنوں میں بیماری کے دنوں کی تیاری کرلو(یعنی تندرستی کے ایام کو غنیمت جانے) ۔ جس کا معنی یہ ہے کہ مومن کو صحت اور سلامتی کے اوقات کو بھلائی اور فرماں برداری کے کام زیادہ سے زیادہ کرکے غنیمت جاننا چاہئے قبل اس کے کہ اس کے اور نیک اعمال کے بیچ بیماری آڑ آجائے[1] پھر وہ صیام و قیام اور دیگر اعمال سے بیماری، پریشانی یا کبر سنی کے سبب قاصر رہ جائے۔

تیسری وصیت :((ومن حياتك لموتك)) ترجمہ: اور زندگی میں موت کی تیاری کرلو۔ جس کا معنی یہ ہے کہ مومن کو زندگی کے اوقات اور گھنٹوں کو زاد راہ جمع کرتے ہوئے غنیمت جاننا چاہئے اور کوتاہی کرنے سے بچنا چاہئے تاکہ موت آکر اس کے اور اعمال صالحہ کے مابین آڑ نہ بننے پائے۔

---

([1]) السقم: فتح کے ساتھ: لمبی بیماری کے معنی میں ہے، اسے سین کے ضمہ کیساتھ سقم بھی پڑھنا جائز ہے۔ المصباح المنیر (ص ۲۸۰)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((دو نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ گھاٹے میں ہوتے ہیں: صحت و تندرستی اور خالی وقت))[1]۔

لہذا نئے سال کے استقبال کے وقت ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اوقات کو غنیمت جانیں اور مشغولیت بیماریا موت کے ہمارے اور نیک اعمال کے مابین آڑ بن جانے سے پہلے نیک اعمال میں پہل کریں۔

اے اللہ ہمیں باقی عمر سے استفادہ کی توفیق دے، ہمیں زیادہ سے زیادہ بھلائی اور ثواب اکٹھا کرنے کی توفیق عطا کر، اے اللہ تو ہمارے دلوں کو تمناؤں کے خواب سے بیدار کردے، ہمیں کوچ کے قرب اور وقت کے مکمل ہونے کا شعور عطا کر، ہمارے دلوں کو ایمان پر ثابت رکھ ہمیں نیک اعمال کی توفیق دے اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

(1)اس کی تخریج بخاری (٦٤١٢) نے کی ہے۔

# اللہ کے مہینے محرم کی فضیلت

عن أبي هريرةﷺ قال: قال رسول اللهﷺ: ((أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم، وأفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل)).
وفي رواية: ((الصلاة في جوف الليل)). أخرجه مسلم.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((رمضان کے بعد سب سے بہترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد سب سے بہترین نماز رات کی نماز ہے))۔ اور ایک روایت میں ہے: ((رات کے درمیان میں نماز پڑھنا))۔ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث اللہ کے مہینے محرم کے روزوں کی فضیلت کی دلیل ہے، اور یہ کہ وہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان میں روزوں کی فضیلت ان اوقات کی فضیلت اور ان میں اجر کے بڑے ہونے کے سبب ہے، کیونکہ روزہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل اعمال میں سے ہے اور اس میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ رات کے درمیانی حصے میں نماز پڑھنا دن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور "جوف اللیل" سے مراد: رات کا درمیانی حصہ ہے[2]۔

اللہ کا مہینہ محرم یہ وہی مہینہ ہے جس سے ہجری سال کی ابتدا ہوتی ہے جو قرآن کریم میں مذکور حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، فرمان باری تعالی ہے: ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السماوات والارض منها

(1) صحیح مسلم (۱۱۶۳)۔

(2) جب جوف اللیل مطلقا بولا جائے تو اس سے مراد درمیانی حصہ ہوتا ہے، اور اگر جوف اللیل الآخر کہا جائے تو اس سے مراد رات کے دوسرے حصہ کا درمیان یعنی رات کے چھ حصوں میں سے پانچواں سدس مراد ہوتا ہے، وہی نزول الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔ یہ حافظ ابن رجب کا قول ہے دیکھئے: جامع العلوم والحکم (ص ۵۱۶)۔

أربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم﴾[التوبة:٣٦](بیشک اللہ کے یہاں اللہ کی کتاب میں جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، مہینوں کی تعداد ۱۲ ہے، جن میں سے چار تو حرمت والے ہیں، یہی مضبوط دین ہے، لہذا تم ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو)اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:(( ...سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جن میں چار حرمت والے مہینے ہیں، تین لگاتار آتے ہیں: ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ اور محرم اور قبیلہ مضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان آتا ہے))[1]۔

اس مہینے کی نسبت اللہ تعالی نے اپنی جانب شرف وعظمت کے سبب کی ہے اس کے علاوہ کسی اور ماہ کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اور اس کا نام محرم اس کی حرمت کے تاکید کی بابت رکھا گیا ہے؛ اس لئے کہ عرب کے لوگ اس سلسلے میں ہیر پھیر کرتے ہوئے ایک سال اسے حلال کہتے تھے اور دوسرے سال حرام کہتے تھے۔

فرمان باری تعالی :﴿فلا تظلموا فيهن أنفسكم﴾(چنانچہ ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو) کا مطلب: ان حرمت والے مہینوں میں،(اپنے آپ پر ظلم نہ کرو) کیونکہ ان میں برائیوں کا گناہ دوسرے دنوں کے مقابلے بڑھ جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ :((اللہ تعالی نے ان دنوں میں برائیوں کے گناہ کو بڑھا دیا ہے اور نیک اعمال کے ثواب زیادہ کر دیا ہے))[2]۔ قتادہ کہتے ہیں کہ :((حرمت والے مہینوں میں ظلم کا گناہ دوسرے دنوں کے مقابلے زیادہ ہوتا ہے اگرچہ ظلم ہر حال میں بڑے گناہ کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ اللہ جسے چاہے بڑا کر سکتا ہے))[3]۔

---

([1])اس کی تخریج بخاری (۴۶۶۲)، اور مسلم (۱۶۷۹)، اور رجب کی نسبت مضر کی جانب اس لئے ہے کیونکہ وہ لوگ دوسروں کی بہ نسبت اس کی تعظیم پر جمے ہوئے تھے، اور جمادی اور شعبان کے درمیان کی صفت تاکید کے طور پر ہے۔ فتح الباری (۸ / ۳۲۵)۔

([2])اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے (۱۰ / ۱۲۶)۔

([3])اسے ابن جریر (۱۰ / ۱۲۷) نے روایت کیا ہے۔

ظلم کی ایک صورت انسان کا اپنے نفس پر شرک یا واجب کو چھوڑ کر ظلم کرنا بھی ہے اسی طرح حرام کا ارتکاب کرنا، نماز میں کوتاہی اور جمعہ وجماعت سے پیچھے رہنا بھی ظلم ہے۔

اللہ تعالی نے ان قمری مہینوں کو لوگوں کے لئے ٹائم ٹیبل بنایا ہے؛ کیونکہ یہ ایسے محسوس کیے جانے والے علامات سے منسلک ہے جس کی ابتداء اور انتہاء ہر کوئی جانتا ہے، آج کل سب سے زیادہ جس بات پر افسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ بیشتر مسلمانوں نے ہجری تاریخ کو چھوڑ کر نصاری کے اس تاریخ کو اپنا لیا ہے جو نہ مشروع چیز پر مبنی ہے اور نہ ہی معقول اور محسوس پر بلکہ وہ وہم و گمان پر مبنی ہے[1]۔

یقیناً یہ سراسر کمزوری، شکست خوردگی اور غیر مسلمانوں کی تابع داری کی دلیل ہے، جس کے نقصانات میں سے مسلمانوں اور نسل نو کو نصاری کی تاریخ سے جوڑ کر انہیں رسول اللہ ﷺ اور ان کے دینی شعائر اور عبادات سے مرتبط ہجری تاریخ سے دور کرنا ہے،[2] پس اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے!۔

حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ رمضان کے فرض روزوں کے بعد سب سے بہترین نفلی روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں، اس سے ظاہری طور پر پورے ماہ محرم کے روزے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور بعض علماء نے اسے ماہ محرم میں بکثرت روزے کی ترغیب پر محمول کیا ہے اور پورے ماہ کے روزہ رکھنے کو مراد نہیں لیا ہے۔

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((... میں نے رسول اللہ ﷺ کو رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے کے مکمل روزہ رکھتے نہیں دیکھا، اور شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا))[3]۔

---

([1]) دیکھئے: الضياء اللامع من الخطب الجوامع از شیخ محمد العثیمین (۲ / ۷۰۲)۔

([2]) دیکھئے: التشبه المنهي عنه (ص ۵۴۲)۔

([3]) اس کی تخریج امام مسلم (۱۱۵۶) (۱۷۵)۔

اے اللہ تو ہمیں مخالفت اور نافرمانی سے بچا سرکشی اور ذلت کے اسباب سے محفوظ رکھ ،اور ہمیں نیک اعمال کرنے اور اوقات کو فرماں برداری کے کاموں میں لگانے کی توفیق دے ،اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

# یوم عاشوراء کی تاریخی حیثیت

عن عائشة رضي الله عنها قالت: ((كان يوم عاشوراء تصومه قريش في الجاهلية، وكان رسول اللهﷺ يصومه في الجاهلية ، فلما قدم المدينة صامه، و أمر بصيامه، فلما فرض رمضان ترك يوم عاشوراء ، فمن شاء صامه، ومن شاء تركه)) أخرجه البخاري ومسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ : ((زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمانہ جاہلیت میں اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، پھر جب آپ ﷺ مدینہ آئے تب بھی روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا مگر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا، پس جو چاہتا رکھتا اور جو چاہتا چھوڑتا ))اس کی تخریج بخاری ومسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جاہلیت کے لوگوں میں بھی یوم عاشوراء معروف تھا اور وہ بھی اس دن روزے رکھا کرتے تھے، نبی ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور ہجرت سے پہلے تک اس دن روزہ رکھا کرتے تھے مگر لوگوں کو اس کے روزے کا حکم نہیں دیتے اور یہ زمانہ جاہلیت میں نبی ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کے یہاں اس دن کی عظمت و تقدس پر دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اسی دن خانہ کعبہ کو ڈھاکا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی حدیث میں ہے وہ کہتی ہیں کہ :((وہ لوگ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے اور اسی دن کعبہ کو ڈھاکا بھی جاتا تھا...))[2]،امام قرطبیؒ فرماتے ہیں :((حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسدنکے روزہکی مشروعیت اور قدر و منزلت ان کے یہاں معروف تھی اور شاید وہ اس کے روزے کے بارے میں ابراہیم واسماعیل علیہما السلام

---

([1]) صحیح بخاری(۲۰۰۲)، مسلم(۱۱۲۵)۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری(۱۹۵۲) نے کی ہے۔

کے شریعت کو دلیل مانتے تھے کیونکہ وہ اپنی نسبت بھی ان کی طرف کیا کرتے تھے اسی طرح حج وغیرہ کے بہت سے احکام ان سے ہی لیتے تھے...))[1]۔

تمام احادیث کو جمع کرتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عاشوراء کے دن کا روزہ نبی ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پہلے پہل واجب تھا-یہی اہل علم کے دو اقوال[2] میں سے صحیح قول ہے-؛ کیونکہ اس کے سلسلے میں آپ ﷺ کا حکم دینا ثابت ہے، اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ : ((نبی ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جا کر وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جس نے کچھ کھالیا ہے وہ دن کا باقی حصہ روزہ رکھے، اور جس نے کچھ نہیں کھایا ہے وہ روزہ رہے کیونکہ آج عاشوراء کا دن ہے))[3]۔

جب سن ۲ ہجری میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزے کی فرضیت ختم ہو گئی اور صرف استحباب باقی رہا، عاشوراء کے روزے کا حکم صرف سنہ ۲/ہجری کی ابتداء میں ایک ہی سال دیا گیا تھا جس کی شروعات میں عاشوراء کے روزے کی فرضیت ہوئی تھی اور پھر اسی سال کا آدھا حصہ گذرتے ہی رمضان کے روزے فرض کر دیئے گئے، آپ ﷺ نے سنہ ۱۰/ہجری میں اپنے عمر کے آخری لمحے میں یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ ﷺ صرف تنہا عاشوراء کا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ اس سے پہلے نویں ذوالحجہ کو بھی روزہ رکھیں گے، جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر کیا جائے گا-ان شاءاللہ-جو کہ اہل کتاب کے روزے کی کیفیت سے مخالفت کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

---

([1])المفہم (۳/ ۱۹۰)۔

([2]) مجموع فتاوی ابن تیمیہ (۲۵/ ۳۱۱)۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری (۲۰۰۷)، اور مسلم (۱۱۳۵) نے تخریج کی ہے، بخاری (۱۹۶۰)، اور مسلم (۱۱۳۶) کے یہاں ربیع بنت معوذ کی حدیث اس کی شاہد بھی ہے، اسی طرح امام احمد وغیرہ کے یہاں اس دیگر شواہد بھی ہیں۔

اے ہمارے رب تجھے نہ نافرمانی سے نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی فرمانبرداری سے فائدہ ،ہمیں توبہ اور رجوع کی توفیق دے، ہمارے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرما، ہمارے اوپر اپنے فضل و احسان کی نوازش فرما،اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جنھوں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تو ان کے لئے کافی ہو گیا، انہوں نے تجھ سے ہدایت طلب کیا اور تو نے انہیں ہدایت دی، تجھ سے مدد طلب کیا اور تو نے ان کی مدد فرمائی، تجھ سے گڑگڑائے اور تو نے ان پر رحم کیا اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

# یوم عاشوراء کے روزے کی ترغیب

عن أبي قتادة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ سئل عن صوم يوم عاشوراء، فقال: ((يكفر السنة الماضية)) وفي رواية: ((... وصيام يوم عاشوراء أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله)) أخرجه مسلم.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((گذشتہ سال کے گناہوں کے معافی کا ذریعہ ہے)) اور ایک روایت میں ہے کہ: ((... اور عاشوراء کے روزوں کے بارے میں مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ گذشتہ ایک سالہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوں گی))۔اس کی تخریج مسلم نے کی ہے[1]۔

یہ حدیث یوم عاشوراء یعنی محرم کے دسویں دن کے روزے کی فضیلت پر دلیل ہے، اس کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان سے یوم عاشوراء کے روزے سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ((مجھے کوئی ایسا دن معلوم نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ دوسرے دنوں کی بہ نسبت اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا روزہ رکھتے ہوں سوائے اس دن کے اور اس ماہ یعنی رمضان کے))[2]۔

لہذا ایک مسلمان کو اس دن کا روزہ رکھنا چاہئے اگرچہ یہ جمعہ یا سنیچر کے دن ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ اسے تو عاشوراء کی وجہ سے رکھنا ہے، اسی طرح اسکی فضیلت کے پیش نظر اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اس کے روزہ کیلئے اپنے اہل واولاد کو بھی حکم دینا چاہئے۔

---

([1]) صحیح مسلم (١١٦٢)(١٩٦)(١٩٧)۔

([2]) اس کی تخریج بخاری (٢٠٠٦)، اور مسلم (١١٣٢)۔

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ :((رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، آپ ﷺ ہمیں اس پر ابھارتے اور اس کو لازم پکڑنے کی تاکید بھی کرتے...))[1]۔

روزہ اللہ تعالی کے نزدیک افضل ترین اعمال میں سے ہے، اور نفلی روزے پر مرتب اجر کے علاوہ اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ یہ بھی دیگر نفلی عبادتوں کی طرح فرائض کی ادائیگی میں واقع نقص یا کوتاہی کی تلافی کرتے ہیں، اسی بارے میں پیارے نبی ﷺ نے نماز کے شان میں فرمایا:((رب تبارک و تعالی فرماتے ہیں: دیکھو کیا میرے بندے کے کچھ نفلی عبادات بھی ہیں؟ پھر اس سے فرض کی کمیوں تو پورا کیا جائے گا، پھر اسی طرح تمام اعمال کا معاملہ ہوگا))[2]۔

اسی طرح نفلی روزہ ایک مسلمان کو اللہ کے قرب کے درجات اور اس کے محبت کے حصول پر معاون ہوتی ہیں، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:((بندہ سب سے زیادہ میرا قرب فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور بندہ لگاتار میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں...))[3]۔

اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر وہ نص جن میں بعض اعمال صـــالحہ کے گناہوں کی معافی کا سبب ہونے کی بات کہی گئی ہے جیسے: وضو، رمضان کے روزے، عرفہ اور عاشوراء کے روزے وغیرہ تو ان سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ جب پانچوں نمازیں جمعہ اور

---

([1])اس کی تخریج مسلم (١١٢٨) نے کی ہے۔

([2])اس کی تخریج ابو داود (٨٦٤)، اور ترمذی (٤١٣) اور نسائی (١ / ٢٣٢)، اور ابن ماجہ (١٤٢٥)، اور احمد (١٣/ ٢٧٨) نے ابوہریرہ کے واسطے کئی طریق سے تخریج کی ہے، اس کی روایت اور مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے کی گئی ہے، اس طرح کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی، اور اس کے متعدد طرق ایک دوسرے کو تقویت پہونچاتے ہیں، تو یہ روایت حسن کے قبیل اے ہوگی۔ اس کی تخریج اور اس کا معنی دیکھنے کیلئے مراجعہ کریں: عارضہ الاحوذی (٢ / ٢٠٧)، اور فتح الباری از ابن رجب (٣ / ٢٧٦)، اور تحفہ الاحوذی (٢ / ٤٦٣) جامع الترمذی پر شیخ احمد شاکر کی تعلیق (٢ / ٢٦٩)، اور فضل الرحیم الودود (٩ / ٤٤٤)۔

([3])اسے امام بخاری (٦٥٠٢) نے روایت کی ہے۔

رمضان کے روزے جیسی عظیم عبادتیں کبیرہ گناہوں کو نہیں مٹا سکتیں- جیسا کہ سنت میں ثابت ہے- تو اس سے چھوٹے اعمال کیوں کر بڑے گناہوں کو مٹا سکتے ہیں ؟!۔

اسی لئے جمہور علماء کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ جیسے سود زناکاری جادو وغیرہ نیک اعمال سے نہیں مٹائے جا سکتے ان کے لئے صرف توبہ کرنا ہوگا یا جن پر حد متعین ہے اس کے کرنے والے پر حد نافذ کیا جائے گا[1]۔

اے نیک کاروں کی اصلاح کرنے والے ہمارے دلوں کی خرابیاں درست کردے اور ہمارے عیوب کو دنیا اور آخرت میں میں پردہ پوشی کر، ہمارے لئے ایمان کو محبوب بنادے اسے ہمارے دلوں میں خوبصورت بنادے، ہمارے نزدیک کفر فسوق اور نافرمانیوں کو ناپسندیدہ بنادے، اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

([1]) دیکھئے: (ص۱۶)۔

# یوم عاشوراء کے روزوں کی حکمت

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم رسول اللهﷺ المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسئلوا عن ذلك، فقالوا: هذا اليوم الذي أظهر الله فيه موسى وبني إسرائيل على فرعون،فنحن نصومه تعظيما له، فقال رسول اللهﷺ: ((نحن أولى بموسى منكم، فأمر بصيامه)). أخرجه البخاري ومسلم، وفي رواية لمسلم: ((فصامه موسى شكرا، فنحن نصومه ...)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ آئے تو وہاں یہودیوں کو عاشوراء کے دن روزہ رکھتے پایا، لہذا ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام اور بنو اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا کیا تھا، لہذا ہم اس کی تعظیم کے طور پر روزے رکھتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((ہم موسی علیہ السلام کے تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہیں، اور آپ ﷺ نے ان کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا))۔اس کی تخریج بخاری اور مسلم نے کی ہے، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ((موسی نے اس دن شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تھا، لہذا ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں...))[1]۔

اس حدیث میں یوم عاشوراء کے روزے کی مشروعیت کی عظیم حکمت کا بیان ہے، جو کہ موسی علیہ السلام اور بنو اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کے لشکر کے غرقاب ہونے پر اللہ کے شکر کے طور پر اس دن کی تعظیم ہے، اسی لئے موسی نے اس دن کا روزہ اللہ کے شکر کے طور پر رکھا تھا، یہود بھی اسی لئے اس کا روزہ رکھتے تھے، اور امت محمدیہ تو یہود کی بہ نسبت موسی کے اقتداء کی زیادہ حقدار ہے، لہذا جب موسی علیہ السلام نے اس دن شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تھا تو ہم بھی اس دن اسی طرح روزہ رکھیں گے، اسی لئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ہم تمہاری بہ نسبت موسی علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں))، اور ایک روایت میں ہے کہ: ((میں موسی کا تم سے زیادہ حقدار ہوں))، یعنی ہم تمہاری بہ نسبت موسی کی اتباع کے زیادہ قریب اور حق رکھنے والے ہیں کیونکہ ہم

---

([1]) صحیح بخاری (۳۹۴۳)، اور مسلم (۱۱۳۰)(۱۲۷)(۱۲۸)۔

دین کے اصول میں بھی ان کے موافق ہیں اور ہم ان کے کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں، اور تم تو تغییر و تحریف کرتے ہوئے ان کے مخالف ہو، اور رسول ﷺ ان کی بہ نسبت حق کے زیادہ اتباع اور فرماں برداری کرنے والے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا، اور اس کی عظمت کو باقی رکھتے ہوئے اور اس کی تاکید کرتے ہوئے اس کے روزے کا حکم بھی فرمایا۔

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ: عاشوراء کا دن یہود کے یہاں عظمت والا تھا، جس میں وہ عید منایا کرتے تھے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((تم بھی روزے رکھو)) اور ایک روایت میں ہے: ((اہل خیبر عاشوراء کے روز روزہ رکھتے تھے اور اس دن کو وہ عید مناتے تھے، اور اپنی عورتوں کو زیورات وغیرہ پہنایا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((تم اس دن روزہ رکھو)) ))[1]۔

اس سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے روزہ کی حکمت یہود کی مخالفت ہے، وہ اس طرح کہ ہم اس دن کو عید نہ منائیں، صرف اور صرف روزہ پر اکتفاء کریں، کیونکہ عید کے دن روزہ نہیں رکھا جاتا، یہ بھی عاشوراء کے روزے میں یہود کے مخالفت کی ایک صورت ہے، اور ان شاء اللہ نویں دن کا روزہ رکھ کر مخالفت کی دوسری صورت بھی بیان کی جائے گی۔

### اس دن کے سلسلے میں دو گروہ گمراہی کا شکار ہوئے:

ایک گروہ وہ جنھوں نے یہود کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے، عاشوراء کو موسم عید بنالیا، موسی علیہ السلام اور ان کے قوم کی نجات پر خوشی اور سرور کا اظہار کرنے لگے، لہذا وہ اس دن خوشی کے کام: جیسے خضاب اور سرمے کا استعمال کرتے ہیں، اہل خانہ پر خوب خرچ کرتے ہیں، خصوصی پکوان پکاتے ہیں، اسی طرح دیگر جاہلانہ اعمال انجام دیتے ہیں، یعنی انہوں نے فاسد کا مقابلہ فاسد سے اور بدعت کا بدعت سے کیا ہے۔

---

([1]) اسے بخاری (۲۰۰۵) اور مسلم (۱۱۳۱)(۱۲۹)(۱۳۰) نے روایت کیا ہے۔

دوسری وہ گروہ جنہوں نے عاشوراء کو غم وماتم اور نوحہ کا دن بنالیا ہے؛ کیونکہ اس دن حسین بن علی رضی اللہ عنہما شہید کئے گئے تھے، چنانچہ وہ اس دن جاہلیت والے اعمال جیسے: گالوں پر طمانچے مارنا، گریبان چاک کرنا اور مرثیہ خوانی کرنا اسی طرح جھوٹے ومن گھڑت قصے بیان کرنا وغیرہ جس کا مقصد فتنے کا دروازہ کھولنا اور امت میں پھوٹ ڈالنا ہوتا ہے، یہ ان لوگوں کا عمل ہے جن کی کوششیں دنیاوی زندگی میں ہی ضائع ہوگئیں، اور وہ اس گمان میں ہیں کہ وہ اچھے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔

اللہ تعالی نے اہل سنت کو ہدایت نصیب فرمائی لہذا انہوں نے وہ کام انجام دیئے جن کا حکم انہیں ان کے نبی نے دیا ہے، وہ یہودیوں کی مخالفت کا خیال رکھ کر روزہ رکھتے ہیں، اور جو بدعتیں شیطان نے مزین کی ہیں ان سے بچتے ہیں، یہ سب اللہ ہی کا احسان ہے اور اسی کی تعریف کرنی چاہئے۔

اے اللہ ہمیں ہمارے دین کی سمجھ عطا کر، ہمیں اس پر عمل اور استقامت کی توفیق عطا فرما، ہمارے لئے آسانی کو آسان کردے، ہمیں پریشانی سے بچا، ہمارے تمام معاملات کو درست فرما دے، اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

## دسویں کے ساتھ نویں دن کا روزہ بھی مستحب ہے

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول اللهﷺ لما صام يوم عاشوراء و أمر بصيامه قالوا: يارسول الله ، إنه يوم تعظمه اليهود والنصارى، فقال رسول الله ﷺ: ((فإذا كان العام المقبل -إن شاء الله- صمنا اليوم التاسع))، قال: فلم يأت العام المقبل حتى توفي رسول اللهﷺ. أخرجه مسلم ، و في رواية له: ((لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع)).

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا، تو صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول اس دن کی تو یہود و نصاری تعظیم کرتے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((جب آئندہ سال ہوگا تب ہم ان شاء اللہ نویں دن کا بھی روزہ رکھیں گے))، کہتے ہیں کہ پھر آئندہ سال کی آمد سے قبل ہی اللہ کے رسول ﷺ فوت ہوگئے۔ اسے امام مسلم نے تخریج کی ہے، اور انہیں کی ایک روایت میں ہے: ((اگر میں آئندہ سال تک رہا تو نویں کا بھی روزہ ضرور رکھوں گا))[1]۔

یہ حدیث اس بابت دلیل ہے کہ جو عاشوراء کا روزہ رکھنا چاہے اس کے لئے اس سے ایک دن پہلے یعنی نویں دن کا روزہ رکھ لینا بھی مستحب ہے، نویں دن کا روزہ رکھنا مسنون ہے اگرچہ نبی نے اسے نہیں رکھا ہے، کیونکہ آپ نے اس کا ارادہ کیا تھا، اور اللہ اعلم اس کا مقصد دسویں کے ساتھ ایک دن اور جوڑنا ہے، تاکہ آپ کا طریقہ اہل کتاب کے مخالف ہوسکے کیونکہ وہ تو صرف اور صرف دسویں دن کا ہی روزہ رکھتے تھے، بعض روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک موقوف صحیح روایت بھی وارد ہے کہ: ((تم نو اور دس کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو))[2]۔

---

([1]) صحیح مسلم (۱۱۳۴)۔

([2])اس کی تخریج عبدالرزاق (۴/ ۲۸۷)، اور طحاوی نے شرح معانی الآثار (۲/ ۷۸)، اور بیہقی (۴/ ۲۷۸) نے ابن جریج سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس میں اس بات پر واضح دلیل ہے کہ ایک مسلمان کو کفار اور اہل کتاب سے مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے؛ کیونکہ ان کی مشابہت سے دوری اختیار کرنے میں عظیم ترین مصلحتیں اور بے شمار فوائد پوشیدہ ہیں، انہیں میں سے ان سے محبت اور ان کے جانب مائل کرنے والے راستے کو کاٹنا اور براءت کے معنی کی تحقیق اور اللہ کے لئے ان سے نفرت کا معنی بھی ہے، اسی طرح ایسا کرنے سے مسلمانوں کا استقلال اور تمیز بھی باقی رہتا ہے۔

**اہل علم نے اجمالی طور روز عاشوراء کے روزوں کے چار مراتب (درجات) ذکر کئے ہیں:**

**پہلا درجہ (گریڈ):** تین دن کا روزہ: نو دس اور گیارہ اس پر ابن عباس سے مروی حدیث :((تم یہود کی مخالفت کرو اور اس کے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں روزے رکھو))[1]، یہ حدیث ضعیف ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنا ماہ محرم میں ہونے کے سبب عاشوراء کے روزے پر اضافی ثواب کے طور پر ہوگا، کیونکہ ماہ محرم میں روزے پر ابھارا گیا ہے، اسی طرح ایسا کرنے سے ہر ماہ تین روزے کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا، اور امام احمد سے ان کا قول منقول ہے کہ: "جو عاشوراء کا روزہ رکھنا چاہے وہ نو اور دس کا روزہ رکھے اگر مہینہ کے دخول میں شبہ ہو جائے تو تین دن روزے رکھے، یہی ابن سیرین کا کہنا ہے"[2]۔

**دوسرا درجہ (گریڈ):** نویں اور دسویں کا روزہ رکھنا، اسی پر اکثر احادیث دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ ان کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔

**تیسرا درجہ (گریڈ):** نویں اور دسویں یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھنا، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، جس میں ہے کہ :((تم یوم عاشوراء کا

(1) اس کی تخریج امام بیہقی (۴/ ۲۸۷) نے کی ہے جو آئندہ حدیث کی ایک روایت ہے۔

(2) المغنی (۴/ ۴۴۱)، اقتضاء الصراط المستقیم (۱/ ۴۱۹)۔

روزہ رکھواور اس میں یہود کی مخالفت کرو، تم اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک روزہ رکھ لو)) یہ ضعیف حدیث ہے[1]۔

**چوتھا درجہ (گریڈ):** صرف دسویں دن کا ہی روزہ رکھنا، بعض اہل علم اسے مکروہ مانتے ہیں، کیونکہ اس سے اہل کتاب کی مشابہت لازم آتی ہے، یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور قول ہے، یہی امام احمد اور بعض احناف کا بھی مذہب ہے۔

جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ وہ فضیلت والے دنوں میں سے ہے، لہذا اس کا روزہ رکھ کر ثواب کمانا مستحب ہوگا، مگر زیادہ بہتر یہی بات ہے کہ جو اس کے ساتھ دوسرے دن بھی روزہ رکھ سکے اس کے حق میں ایسا کرنا مکروہ ہوگا، لیکن اس سے صرف اس دن کے روزہ رکھنے والے کے ثواب کی نفی نہیں ہوتی، ان شاء اللہ اسے بھی ثواب ملے گا۔

اے اللہ تو ہمیں ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہوتا ہے، اور ہمیں اپنی نافرمانی کے کاموں سے بچا، ہمیں تو اپنے نیک بندوں اور کامیاب جماعت میں شامل کر، ہمیں معاف

---

([1])اس کی تخریج امام احمد (۴/ ۵۲)، ابن خزیمہ (۳/ ۲۹۰)(۲۰۹۵)، طحاوی نے شرح معانی الاثار (۲/ ۷۸)، بیہقی (۴/ ۲۸۷) نے متعدد طرق سے محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی سے انہوں نے داود بن علی سے امھوں نے اپنے والد انہوں نے اپنے دادا ابن عباس سے مرفوعا روایت کیا ہے، اور یہ اسناد ضعیف ہے، اس کا مرفوع ہونا درج ذیل وجوہات کے سبب صحیح نہیں ہے:

۱- محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی بہت زیادہ سیئ الحفظ ہیں، جیسا کہ حافظ نے التقریب میں کہا ہے۔

۲- داود بن علی بن عبداللہ بن عباس الہاشمی کا ذکر ابن حبان نے الثقات (۶/ ۲۸۱) میں کرتے ہوئے یخطیٔ کہا ہے، اور حافظ نے تقریب میں مقبـــــول کہا ہے، یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث، ان کی کتب ستہ میں ترمذی میں (۳۴۱۹) ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث ہی نہیں ہے، اور شاید امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۵/ ۴۴۴) اس قول کا خلاصہ کرتے ہوئے ہی لکھا ہے کہ: وہ حجت نہیں ہے، اہل نقد نے ان کی حکومت کے سبب ان تضعیف پر زور نہیں دیا ہے)۔

۳- رفع کی علت، یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس والی طریق سے موقوفا مروی ہے، جس کے رجال مرفوع طریق کے مقابلے زیادہ ثقہ اور زیادہ حافظ ہیں، اور شاید داود بن علی کے بارے میں ابن حبان کے کلام میں اسی جانب اشارہ ہے، موقوف روایت کی تائید امام شافعی کی اپنی مسند (۱/ ۲۷۲ ترتیب) میں سفیان بن عیینہ، عن عبیداللہ بن ابی یزید، عن ابن عباس تخریج کردہ موقوف روایت سے بھی ہوتی ہے، اس کی اسناد صحیح ہے۔

فرمادے، ہمارے توبہ کو قبول فرما اور اے اللہ تو ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

□□□

# محتویات

مقدمہ برائے طبعہ جدیدہ.........................(۲)
مقدمہ..........................................(۳)
ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن اور ان میں نیک اعمال کی فضیلت............(۶)
قربانی کا ارادہ رکھنے والے کو کن چیزوں سے بچنا چاہیے.............(۹)
حج کے وجوب اور اس کیلئے جلدی کرنے کا بیان...................(۱۲)
حج کی فضیلت اور حاجی کیلئے لازمی صفات.........................(۱۵)
حج مبرور کی فضیلت اور اس کی صفت..............................(۱۸)
قربانی کا حکم اور اسکی فضیلت کا بیان...........................(۲۱)
قربانی کے بعض احکام کا بیان......................................(۲۴)
جانور میں موجودہ عیب جن کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی.....(۲۷)
قربانی سے متعلق بعض مسائل......................................(۳۰)
یوم عرفہ کے روزے کی فضیلت......................................(۳۳)
یوم عید کے شعائر..................................................(۳۶)
ایام تشریق کی فضیلت...............................................(۳۹)
دنوں اور سالوں کے گذرنے سے عبرت کا حصول...................(۴۲)
دنیا کی لالچ سے بچنے کی ترغیب....................................(۴۵)
اللہ کے مہینے محرم کی فضیلت.......................................(۴۸)
یوم عاشوراء کی تاریخی حیثیت.......................................(۵۲)
یوم عاشوراء کے روزے کی ترغیب.................................(۵۵)
یوم عاشوراء کے روزوں کی حکمت...................................(۵۸)
دسویں کے ساتھ نویں دن کا روزہ بھی مستحب ہے...............(۶۱)
محتویات..............................................................(۶۵)

❀❀❀

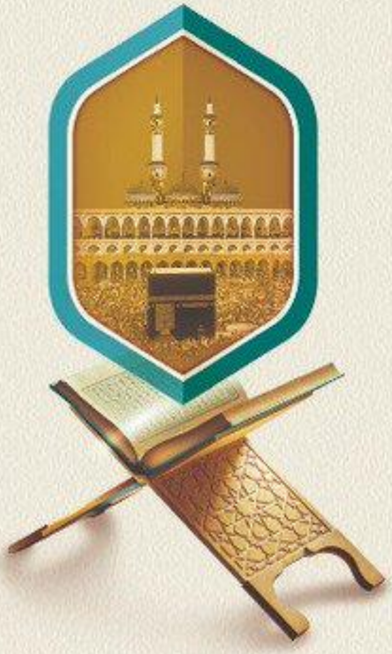

للتواصل والاستفسار:

0505500694

للمساهمة في أنشطة الجمعية:

الحساب العام لدى مصرف الراجحي:

SA59 80000 468608010140007

نرجو إشعارنا بعد التحويل برسالة و اتساب